August 2022 اگست

SIECT

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad
ISSN: 2581-9216

ماہنامہ

صدائے شبلی

حیدرآباد

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد حامد ہلال اعظمی

قیمت: -/20 روپے

www.shibliinternational.com

ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

اگست Aug 2022 جلد: Vol:5 شمارہ: Issue:54

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابوہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	20/-
سالانہ:	220/-
رجسٹرڈ ڈاک:	350/-
بیرونی ممالک:	50/-امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی ۔ پروفیسر مظفر علی شہہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی ۔ پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی ۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
مفتی محمد فاروق قاسمی ۔ مولانا ارشاد الحق مدنی
مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق ۔ ڈاکٹر حمران احمد ۔ ڈاکٹر ناظم علی
ڈاکٹر مختار احمد فردین ۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو
ڈاکٹر سید امام حبیب قادری ۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی
ڈاکٹر سمیہ تمکین ۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی
ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
ڈاکٹر آصف لئیق ندوی ۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد ۔
مولانا عبدالوحید ندوی ۔ مولانا احمد نور عینی
ابوہریرہ ایوبی ۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط وکتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	موضوع روایت، اصول درایت	مولانا عمر احمد عثمانی	۷
۴	نیا اسلامی سال اور یادِ مہرباں ورفتگاں! حالات حاضرہ کے تناظر میں	ڈاکٹر آصف لئیق ندوی	۱۰
۵	غزل	جہانگیر قیاس	۱۴
۶	میرا وطن	ثمینہ بیگم	۱۴
۷	جنگ آزادی 1857ء	تحسین	۱۵
۸	اسلام کے مطابق ماہِ صفر کی حقیقت کو سمجھنا اور سمجھانا وقت کی اہم.......	ڈاکٹر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی	۱۸
۹	ہندوستان کی جنگ آزادی اور چندہ خواتین کا کردار	یاسمین	۲۰
۱۰	ایک قطعہ (بھارت کے مسلمان مجاہدین آزادی کی نذر)	سردار سلیم	۲۵
۱۱	غزل	قاضی انصار	۲۵
۱۲	ایک گمنام مجاہدِ آزادی مولانا سید محمد اسحاق رحمانی برونویؒ	ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی	۲۶
۱۳	ہندوستان میں صحافت!	ڈاکٹر مفتی محمد شرف عالم قاسمی	۲۸
۱۴	عظمتِ مصطفیٰ	شاہ نواز ہاشمی	۲۹
۱۵	مشینی ترجمہ کے لیے تیار کردہ اردو کارپس میں پائی جانے والی.........	محمد زاہد اقبال	۳۰
۱۶	ڈاکٹر حسن الدین احمد کے ساتھ ایک انٹرویو	کے۔ رحمت اللہ	۳۶

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابوسفیان اعظمی**، مقیم حال ممبئی

جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی**، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر **سید جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد

مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج **محمد زکریا انجینئر** (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبدالقادر سعود**، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج **محمد قمرالدین**، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج **محمد عبدالکریم**، صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

ماہ اگست آتے ہی ہر ہندوستانی آزادی اور تحریک آزادی کو چشم تصور میں لاتا ہے، اور ہر ۱۵راگست کو ہم جشن آزادی مناتے ہیں۔ مدارس، دفاتر اور ہر اہم جگہ پر علم ترنگا بلند کر کے قومی تہوار کی خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ رواں سال کا ۱۵راگست وزیر اعظم کے اعلان کے بعد ''ہر گھر ترنگا'' میں مزید جوش دکھائی دیا، کاش کہ ہر ہندوستانی اپنے جھنڈے کی اہمیت کو سمجھتا، کیونکہ ہمارے جھنڈے میں بھائی چارگی اور امن کا پیغام پنہاں ہے۔ آج ہم جو آزادی کی فضا میں سانس لے رہے ہیں اس کے پس منظر میں ایک طویل داستان ہے جو تقریباً دو سو سال پر محیط ہے۔ مغلیہ سلطنت شاہجہاں کے دور (1628ء-1658ء) میں فرنگی یہاں پر بغرض تجارت آئے، انہوں نے یہاں کے وسائل سے خوب فائدہ اٹھایا پھر اس ملک کے ظلماً و جبراً مالک بن بیٹھے۔ انگریز ہندوستانیوں کو اپنا غلام سمجھنے لگے اور طرح طرح کا ان پر استحصال کرنے لگے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ سب سے پہلے آزادی کی جنگ علی وردی خان نے 1754ء میں لڑی، اس کے بعد ان کے نواسہ نواب سراج الدولہ 1757ء میں نبرد آزما ہوئے۔ آخر الذکر کو ان کے درباریوں کی سازشوں سے شکست کا منھ دیکھنا پڑا۔

آزادی کی جنگ میں نمایاں نام نواب حیدر علی خان اور ان کے پسر ٹیپو سلطان کا آتا ہے، ٹیپو سلطان نے انگریزوں کو اس ملک سے نکالنے کا منظم پلان تیار کر لیا تھا، لیکن انگریزوں کی عیاری اور اپنوں کی غداری سے 4رمئی 1799ء میں سلطان ٹیپو سرنگا پٹنم کے قلعہ میں شہید ہوگئے۔ انہوں نے غلامی کے بدلے موت کو ترجیح دی اور مشہور مقولہ گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے۔

ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد ملک میں برطانوی اثرات بڑھتے چلے گئے۔ انہوں نے مشنری ورک کرنا شروع کردیا، دینی مدارس کو تباہ کرنے لگے، ایسے حالات میں ایک تحریک وجود میں آئی جس کی قیادت بانی شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے کی، ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اس مشن کو آگے بڑھایا اور 1803ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا، اس فتویٰ کی وجہ سے پورے ملک میں آزادی کی تحریک میں مضبوطی آئی اور لوگ جوق در جوق شامل ہونے لگے اور ایک موقر علماء کرام کی جماعت تیار ہوگئی۔ 1857ء واقعہ غدر بھی بالا فتویٰ کا نتیجہ تھا، 1857ء کی جنگ میں مسلمانوں کو بظاہر شکست ہوئی مگر یہ شکست نہیں تھی فتح تھی۔ 1857ء کے بعد انگریزوں نے اسلامی عقائد، اسلامی فکر و تہذیب کو ختم کرنے کی کوششیں شروع کردیں اور نصرانی عقائد و تہذیب کے لئے ادارے قائم کیے جانے لگے تو ایسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ اور ان کے ہم خیال علماء نے اسلامی عقائد، فکر اور تہذیب کی بقاء کے لئے 30 مئی 1866ء قصبہ دیوبند ضلع سہارن پور میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی، بقول شاعر: اسلام کے اس مرکز سے ہوئی تقدیس عیاں آزادی کی　　اس بامِ حرم سے گونجی ہے سو بار اذاں آزادی کی

انڈین نیشنل کانگریس کا قیام 1885ء میں آیا، اس کے بانیان ہندو اور مسلمان تھے اور 1919ء میں جمعیۃ علماء ہند کی بنیاد رکھی گئی جس کے بنیادی ارکان مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، محمد علی جوہر، مفتی کفایت اللہ، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی وغیرہ ہیں۔ ان دونوں جماعتوں نے مل کر ہندوستان کی آزادی کے لئے کئی تحریکیں چلائیں؛ بالخصوص تحریک ترکِ موالات، جو گاندھی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے فکر کا نتیجہ تھی۔

آزادی کی تحریک پر کئی کتابیں اور کئی رسالے منظر عام پر آچکے ہیں، یہ اداریہ اتنی طویل داستان کا متحمل نہیں ہوسکتا، آزادی کی مناسبت سے ادارہ شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ تمام مجاہدین آزادی کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتا ہے اور تمام ہندوستانیوں کو آزادی کی مبارکباد پیش کرتا ہے، مشہور قول ہے آزادی تو مل گئی ہے مگر ابھی آزادی کے کام باقی ہیں۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن ابی الحمسا نے آنحضرت ﷺ سے کچھ معاملہ کیا اور آپ ﷺ کو بٹھا کر چلے گئے کہ آ کر حساب کر دیتا ہوں، اتفاق سے ان کو خیال نہ رہا، تین دن کے بعد آئے تو آنحضرت ﷺ اسی جگہ تشریف رکھتے تھے، ان کو دیکھ کر فرمایا میں تین سے یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں۔

غزوۂ بدر میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک ثلث سے بھی کم تھی، ایسے موقع پر آنحضرت ﷺ کی قدرتی خواہش یہ ہونی چاہیے تھی کہ جس قدر آدمی بڑھ سکیں بہتر ہے، لیکن آپ ﷺ اس وقت بھی ہمہ تن وفا تھے، حذیفہؓ بن الیمان اور ابو حسیلؓ دو صحابی کہیں سے آ رہے تھے، راہ میں کفار نے ان کو روکا کہ محمد کے پاس جا رہے ہو، انھوں نے انکار کیا، آخر اس شرط پر ان کو رہائی ملی کہ وہ جنگ میں آپ ﷺ کا ساتھ نہ دیں گے، یہ دونوں صاحب آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو صورتِ حال عرض کی، فرمایا تم دونوں واپس جاؤ ہم ہر حال میں وعدہ کریں گے، ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔

زہد وقناعت: مصنفین یورپ کا عام خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ جب تک مکہ میں تھے پیغمبر تھے، مدینہ میں پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تمام عرب کے زیرِ نگیں ہو جانے پر بھی فاقہ کش رہے، صحیح بخاری کتاب الجہاد میں روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں تین صاع جَو پر گرو تھی، جن کپڑوں میں آپ ﷺ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے، یہ وہ زمانہ ہے جب تمام حدود شام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا ہے اور مدینہ کی سرزمین میں زر وسیم کا سیلاب آ چکا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ آپ ﷺ کی مہماتِ فرائض میں رہبانیت کا قلع قمع کرنا بھی تھا، جس کی نسبت خدا نے نصاریٰ کو ملامت کی تھی کہ رَهْبَانِيَّةَنِ ابْتَدَعُوهَا (حدید۔۲۷:۵۷) اس بنا پر آپ ﷺ نے کبھی کبھی اچھا کھانے اور اچھے کپڑے بھی استعمال کیے ہیں، لیکن اصلی میلانِ طبع زخارفِ دنیوی سے اجتناب تھا، (فرمایا کرتے، فرزند آدم کو ان چند چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں، رہنے کے لیے گھر، ستر پوشی کے لیے ایک کپڑا اور شکم سیری کے لیے روکھی سوکھی روٹی اور پانی)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ولا یطوی لہ ثوب کبھی آپ ﷺ کا کوئی کپڑا تہ کر کے نہیں رکھا گیا، یعنی صرف ایک جوڑا کپڑا ہوتا تھا، دوسرا نہیں ہوتا تھا جو تہ کر کے رکھا جا سکتا۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ گھر کی دیوار کی مرمت کر رہے تھے، اتفاقاً آپ کسی طرف سے آ گئے، پوچھا کیا شغل ہے، عبداللہ بن عمرؓ نے عرض کیا دیوار کی مرمت کر رہا ہوں، ارشاد ہوا کہ اتنی مہلت کہاں؟

(سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۲۷۷/۲۷۸)

مولانا عمر احمد عثمانی۔ دہلی

موضوع روایت، اصول درایت

موضوع روایات

صحیح بخاری شریف کتاب الطب کے ماتحت باب **ھل یستخرج السحر** کے زیر عنوان ج ۲ ص ۸۵۸ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت منقول ہے کہ

حضور اکرم ﷺ پر جادو کر دیا گیا تھا حتی کہ آپ سمجھتے تھے کہ میں ازواج مطہرات کے پاس گیا ہوں، حالانکہ قطعاً نہیں گئے ہوتے تھے۔ سفیانؒ (راوی) کہتے ہیں کہ یہ جادو کی بڑی سخت قسم ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ نیند سے جاگے تو فرمایا کہ اے عائشہؓ خدا نے مجھے بتا دیا ہے جو کچھ میں نے اس سے پوچھا تھا۔ میرے پاس دو آدمی آئے ایک میرے سر کے قریب بیٹھا اور دوسرا میرے قدموں کے پاس۔ جو آمی میرے سر کے پاس بیٹھا تھا اس نے دوسرے سے پوچھا۔ ''اس آدمی کو کیا ہوا؟'' دوسرے نے کہا۔ ''اس پر جادو کر دیا گیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''جادو کس نے کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا ''لبید ابن الاعصم نے جو بنو زریق قبیلہ کا ایک آدمی تھا'' یہ قبیلہ یہودیوں کا حلیف تھا۔ لبید منافق تھا۔ اس نے پوچھا۔ ''اور کس چیز میں جادو کیا ہے؟'' دوسرے نے جواب دیا ''کنگھی میں اور بالوں میں'' پہلے نے پوچھا۔ ''وہ کہاں ہے؟'' دوسرے نے جواب ''نر کھجور کے چھلکے میں رکھ کر ذی اروان کے کنویں کے پتھر کے نیچے دبا ہوا ہے۔'' چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے اور اسے نکلوایا اور فرمایا کہ یہی وہ کنواں ہے جو مجھے دکھایا گیا تھا۔ اور اس کا پانی (اتنا سرخ ہو گیا تھا) گویا منہدی کا دھوون ہو۔ اور اس پر کھجور کے درخت ایسے معلوم ہوتے تھے گویا شیطانوں کے سر ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا۔ ''آپ نے لبید کو رسوا کیوں نہ کیا'' تو آپ نے جواب دیا۔ ''اللہ نے مجھے شفا دیدی ہے۔ اور مجھے یہ اچھا نہیں لگا کہ میں لوگوں میں سے کسی پر شر کو پھیلاؤں۔

بعینہ یہی روایت انہی الفاظ کے ساتھ **کتاب الادب، باب ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان** کے ماتحت ج ۲ ص ۸۹۶ پر بھی مذکور ہے۔ نیز مسلم میں **کتاب السلام باب السحر** کے ماتحت بھی بیان ہوئی ہے۔

غرض یہ ہے کہ یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں صحیحین میں نقل ہوئی ہے اور صحیح بخاری میں دو جگہ نقل ہوئی ہے۔ اور بظاہر ان کی سند میں کوئی کلام نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن فقہ حنفی کے جلیل القدر امام حجۃ الاسلام ابو بکر جصاص رازیؒ اس روایت کے متعلق جو کچھ تحریر فرماتے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔ چنانچہ وہ سحر کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''لوگ اس قسم کی جادو کی شعبدہ بازیوں کی تصدیق کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ جو ان کی تصدیق کرتا ہے وہ نبوت کے مقام کو سمجھتا ہی نہیں اور اس سے بعید نہیں کہ وہ انبیاء کے معجزات کو بھی اسی نوع سے قرار دیدے اور خود انبیاء کو بھی جادوگر خیال کرے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتیٰ.

جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا وہ کہیں بھی آجائے۔

اور لوگوں نے تو جادوگر کی کارستانیوں سے اسے بھی جائز قرار دے لیا ہے جو اس سے بھی زیادہ ہولناک اور شرمناک بات ہے یعنی یہ کہ ان کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر بھی جادو کیا گیا تھا اور آپ ﷺ پر جادو نے اثر بھی کر دیا تھا۔ حتی کہ آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے ایسا خیال ہوتا ہے کہ میں کوئی بات کہہ رہا ہوں اور کر رہا ہوں حالانکہ میں نے نہ کہا ہوتا ہے نہ کیا ہوتا ہے۔ اور ایک یہودی عورت (بخاری اور مسلم میں مرد کا نام ہے) نے آپ پر کھجور کے چھلکے کے اندر کنگھی اور بالوں میں جادو کر دیا۔ حتی کہ آپ کے پاس جبریل آئے اور انہوں نے آپ کو اطلاع دی کہ فلاں عورت نے کھجور کے ایک چھلکے میں جادو کر دیا ہے۔ اور وہ کنویں کے پتھر کے نیچے دبا ہوا ہے تو آپ نے اس کو نکلوایا اور حضور اکرم ﷺ سے اس کا اثر دور ہوگیا۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے کفار کے دعوے کو جھٹلاتے ہوئے جو وہ آپ کے بارے میں بکتے تھے یہ فرمایا تھا۔ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلاً مَّسْحُوْرًا.

اور ظالموں نے یہاں تک کہہ دیا کہ تم تو ایک ایسے ہی آدمی کے پیچھے لگ گئے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔

دراصل اس طرح کی حدیثیں ملحدوں کی وضع کردہ ہیں جو رذیلوں اور اوباشوں کی بات کو اہمیت دینے اور بتدریج لوگوں کو اس بات کے لئے تیار کرنے کے واسطے گھڑی گئی ہیں تاکہ انبیاء کے معجزات کو باطل کیا جائے اور ان میں شبہ ڈالا جائے اور اس کا قائل کیا جائے کہ انبیاء کے معجزات اور جادوگروں کی شعبدہ کاریوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور سب کی سب ایک ہی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس قسم کی روایات بیان کرنے والوں پر تعجب ہوتا ہے کہ ایک طرف تو وہ انبیاء کی تصدیق بھی کرتے ہیں، ان کے معجزات کو ثابت بھی کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ اس کی تصدق بھی کرتے ہیں کہ جادو بھی یہ کچھ کرسکتا ہے حالانکہ حق تعالیٰ فرما چکے ہیں۔

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى.

اور جادوگر کہیں بھی آجائے کامیاب نہیں ہوتا۔

تو یہ لوگ اسے سچا سمجھ رہے ہیں جسے خدا نے جھٹلا دیا ہے اور جس کے دعوے اور کاریگری کے باطل ہونے کی خبر دیدی ہے۔ (احکام القرآن ج۱، ص۶۵-۵۶، مطبوعہ مصر)

خط کشیدہ الفاظ پر ایک مرتبہ پھر نظر ڈال لیجیے۔ وہ اس قسم کی روایات کو وضعی روایات قرار دے رہے ہیں اور وہ بھی ملحدوں کی نیز رذیلوں اور اوباشوں کی بات کو اہمیت دینے کی ایک کوشش فرما رہے ہیں۔ حجۃ الاسلام امام ابوبکر جصاص رازی ایک بڑے امام ہیں اتنے سخت الفاظ وہی استعمال فرماسکتے ہیں۔ ہم اس کی ہمت نہیں کرسکتے۔ واضح رہے کہ امام موصوف صحیحین کی روایتِ سحر کے بارے میں یہ سب کچھ فرما رہے ہیں اور صحیحین کی روایات اور ان کے راویوں کے لئے ہی اتنے سخت الفاظ استعمال کر رہے ہیں۔

بات بہت طویل ہوتی جارہی ہے۔ مذکورہ بالا تصریحات سے جو خود محدثین ہی کی تصریحات ہیں اور محدثین میں سے جلیل القدر ائمہ حدیث اور حفاظ کی تصریحات ہیں کسی ملحد، بدین، مستشرق، جدید تعلیم یافتہ آزاد ذہن کے اقوال نہیں جن سے یونہی گذرا جاسکے، ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ:

(۱) کسی حدیث کو صحیح قرار دینا یا ضعیف کہہ دینا، نیز کسی راوی کو ثقہ اور ضعیف قرار دینا محض ایک ظنی اور اجتہادی چیز ہے، قطعی اور حتمی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جس حدیث کو انہوں

نے صحیح قرار دیا ہے وہ صحیح نہ ہو۔ ایسے ہی جسے انہوں نے ضعیف قرار دے دیا ہے وہ ضعیف نہ ہو۔

(۲) بخاری اور مسلم کی صحیحین میں ضعیف راویوں، خراب حافظہ والے راویوں کی حدیثیں بھی ہیں۔ لہٰذا ہر وہ حدیث جو بخاری اور مسلم میں آگئی ہو ضروری نہیں ہے کہ وہ صحیح ہو۔

(۳) علمائے محدثین نے خود بخاری اور مسلم میں ضعیف حدیثوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔ چنانچہ امام دار قطنی نے صحیحین کی دوسو روایتوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔ حافظ ابو مسعود دمشقی نے ابوعلی غسانی نے باقاعدہ صحیحین کے لئے استدراکات کے نام سے وہ مجموعے مرتب کئے ہیں جن میں ان حدیثوں کو یکجا کردیا گیا ہے جن پر اعتراضات کئے گئے ہیں۔ حافظ عراقی نے بھی اسی موضوع پر ایک مستقل تصنیف مرتب فرمائی ہے۔

اصول درایت

سب سے اہم بات جو ذہن میں رہنی چاہیے وہ یہ ہے کہ احادیث پر تنقید کے محدثین کے ہاں دو طریقے ہیں روایت اور درایت۔ روایت کے طریق سے تنقید راویوں کی ثقاہت اور ضعف کی بناء پر کی جاتی ہے۔ یعنی یہ دیکھا جاتا ہے کہ راوی کس مرتبہ کا ہے۔ وہ ثقہ ہے یا نہیں۔ اس کا حافظہ کیسا تھا۔ اس کے ہم عصروں نے اس کے متعلق کن خیالات کا اظہار کیا ہے اس کے عقائد کیسے تھے وغیرہ وغیرہ۔

درایت کی رو سے بھی احادیث پر تنقید کی جاتی ہے۔ اس کے اصول بھی ہمارے محدثین نے منضبط فرمادیئے ہیں۔ درایت کے اصول بہت ہیں لیکن ان میں موٹے موٹے اصول یہ ہیں:

(۱) جو حدیث، نص قرآنی کے خلاف ہو، وہ صحیح نہیں ہوسکتی۔

(۲) جو حدیث، کسی حدیث متواتر کے خلاف ہو، وہ صحیح نہیں ہوسکتی۔

(۳) جو حدیث، عقل سلیم کے خلاف ہو، وہ صحیح نہیں ہوسکتی۔

(۴) جو حدیث، کسی مشہور تاریخی واقعہ کے خلاف ہو، وہ صحیح نہیں ہوسکتی۔

(۵) جو حدیث، مشاہدات کے خلاف ہو، وہ صحیح نہیں ہوسکتی۔

(۶) جو حدیث، اجماع قطعی کے خلاف ہو، وہ صحیح نہیں ہوسکتی۔

(۷) جس حدیث میں معمولی نیکی پر بہت زیادہ ثواب یا معمولی گناہ پر غیر معمولی عذاب کا بیان ہو، وہ صحیح نہیں ہوسکتی۔

(۸) جس حدیث میں ترک دنیا کی تاکید کی گئی ہو کہ انسان فطرۃً اس پر عمل نہ کرسکے، وہ صحیح نہیں ہوسکتی۔

(۹) حدیث کا راوی کوئی ایسا مضمون بیان کرے جو اس عقیدہ کی تائید کرتا ہو، صحیح نہیں ہوسکتی۔

(۱۰) جس حدیث کا راوی خود اس کا اقرار کرے کہ اسی نے یہ حدیث وضع کی ہے، صحیح نہیں ہوسکتی۔

(۱۱) جو حدیث، حِسّیات کے خلاف ہو، وہ صحیح نہیں ہوسکتی۔

(۱۲) جس حدیث کے الفاظ میں رکاکت پائی جائے جو عربی قواعد سے گری ہوئی ہو، وہ صحیح نہیں ہوسکتی۔

(۱۳) جس حدیث میں معنوی رکاکت پائی جائے جو نبوت کے وقار کے خلاف ہو، وہ صحیح نہیں ہوسکتی۔

(۱۴) حدیث میں کوئی ایسا واقعہ بیان کیا گیا جو اگر واقع ہوتا تو اس کے راوی بہت لوگ ہوتے، وہ صحیح نہیں ہوسکتی۔

(۱۵) حدیث مختلف طریقوں سے مروی ہو مگر نفس مضمون میں یکسانیت نہ ہو اور معنوں میں مغائرت پائی جائے وہ صحیح نہیں ہوسکتی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے سیرۃ النبی، مؤلفہ علامہ شبلی مقدمہ جلد اول ص ۲۶ تا ۵۰ بحوالہ ابن جوزی و ملا علی قاری، مطبوعہ، ناشران قرآن لمیٹڈ اُردو بازار لاہور)

(ماخوذ از فقہ القرآن ص: ۷۰-۷۵ و ۹۱، ۹۲)

ڈاکٹر آصف لئیق ندوی-عربی لیکچرار مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی،حیدرآباد

نیا اسلامی سال اور یادِ مہرباں ورفتگاں!

حالات حاضرہ کے تناظر میں

محرم الحرام کا چاند نظر آتے ہی نئے اسلامی سال کا آغاز ہوگیا۔۔۔دوسرے اسلامی سال کا اختتام ہوچکا۔ غرض کہ ہماری زندگی کا ایک سال اور ختم ہوگیا! اب نئے سال میں ہمارا داخلہ ہوا ہے، گزشتہ سال ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ کچھ اچھی اور تلخ یادیں اس سے منسلک ہوگئیں، ہر نئے سال کو ہم سے اور ہمیں اس سے ماضی، حال اور مستقبل کے آئینے میں کچھ اچھی توقعات وامیدیں رہتی ہیں، جن کی تکمیل احتساب نفس وضمیر، محاسبہ گردوپیش اور تلافی مافات کا عزم وحوصلہ کئے بغیر ناممکن ومحال ہے! بڑے خوش نصیب ہیں وہ مسلمان جو اس مہلت، فرصت اور صحت وتندرستی کو غنیمت سمجھتے ہوئے مستقبل کا بہترین خطہ اور زندگی گزارنے کا عمدہ پلان بنالیں اور اسکی روشنی میں وہ اپنے منظم سفر کا آغاز کریں کہ جس سے صالح سماج ومعاشرے کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے لگے، نئے سال کا تقاضہ پورا ہو، اللہ ورسول بھی راضی وخوش ہوں، وہ ایک ایسا مطیع وفرمانبردار بندہ بن کر رہیں اور صحابہ کرام کی زندگی کے سانچے میں ڈھل جائیں کہ جو تلافی مافات کیلئے کافی ہوجائے اور مسلمانوں کے خلاف ہورہے متعدد سازشوں کا وہ کرارا جواب بن جائیں۔جو اپنے دین، علم اور تہذیب کے سلسلے میں کبھی بخل وتنگ دلی سے کام نہ لیں، اسی طرح وہ عصبیت وجہالت، نفرت وعداوت اور رنگ ونسل کی لعنت ونحوست سے بالکلیہ پاک ہوجائیں کہ عربی وعجمی اور ذات پات کا کوئی فرق وامتیاز باقی نہ بچے بلکہ پوری انسانیت کیلئے وہ ابر کرم بن کر قوم وملک پر چھاجائیں اور اس کے چپے چپے میں ان کی برکت وسعادت کا چرچا قائم ہوجائے کہ برادران وطن بھی ان کے فیض وکرم سے محروم نہ رہ سکیں، سب کے لئے انکا وجود مفید وکارآمد بن جائے جو سارے عالم کو اپنی صلاحیت وقابلیت سے اس طرح سیراب کرے کہ سے ان کی محنت وکاوش سے سنگلاخ وبنجر زمین میں سبزہ اُگ جائے اور زمین کے ہر حصہ میں ان کے وجود و ضرورت کا احساس وطلب قائم ہوجائے، ان کے لئے ہر جگہ سے دعائیں آنے لگے اور تمام مخلوقات ان سے اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے لحاظ سے نفع اٹھائیں۔وہ شاعر کے اس شعر کا بالکل مصداق بن جائیں کہ۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

ایک سچے پکے مسلمان کے وجود اوران کے اخلاق وکردار سے دنیائے انسانیت کو یہی توقع اور امید تھی، ماضی میں مسلمانوں کے عروج وترقی کی داستانیں اس بات کی شاہد وگواہ ہیں مگر آج ہم اخلاقی وروحانی، علمی وادبی، دینی ودنیاوی پستی وزوال کے کس غار میں گر گئے ہیں کہ جہاں

سے ہمارا نکلنا اور اپنے آبا و اجداد کے نقش قدم پر چل کر عروج و ترقی کی پھر سے وہی منزلیں حاصل کرنا دشوار طلب امر بن گیا ہے!! وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی۔۔۔ اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب۔۔اللہ کرے یہ نیا سال اسلام اور اسلام پسندوں کیلئے نفع بخش اور بابرکت سال ثابت ہو! ایمان کی طرف راغب ہونے والوں کیلئے ہرا بھرا اور پھلتا پھولتا سال ثابت ہو بلکہ قوم وملک بالخصوص تمام مسلمانوں کیلئے خیر وخوبی کا داعی، امن وامان اور صلح وآشتی کا متدعی والا سال ثابت ہو۔۔۔

محرم الحرام اسلامی سال کا وہ پہلا مہینہ ہے، جس سے اسلام اور اس کے جیالوں کی کئی تلخ داستانیں اور حوادث وواقعات وابستہ ہیں، جنہیں ہم کبھی فراموش نہیں کر سکتے! جن کا تعلق قیادت وسیادت کی اہلیت، شجاعت وجرأت کے مظاہرے اور حق کے لئے جام شہادت نوش فرمالینے کے دلخراش واقعے سے ہے، شہادت حسین کا عظیم سانحہ بھی اسی مہینہ کی دس تاریخ کو پیش آیا مگر قارئین کی توجہ ہم حضرت عمر رضی اللہ کی شہادت کے اس دلخراش واقعہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں جو چودہ سو انیس سال قبل یکم محرم الحرام سن 24 ہجری میں پیش آیا، اس دن دنیا نے ایک ایسے بڑے عادل و منصف بادشاہ اور اپنے خلیفہ ثانی کو کھو دیا، جن کے عدل وانصاف کا آج بھی چرچا ہے، دنیا نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنا اور نہ تاریخ انسانیت میں ایسا منصافانہ اور عادلانہ زمانہ دیکھا گیا، تا قیامت ان کی عدالت واصلاحات کی مثالیں ہمیشہ ممتاز ومشہور رہیں گی، وہ ایک ایسے منفرد و باکمال خلیفہ و حکمراں تھے جو بادشاہی میں بھی فقیری کی زندگی کو ترجیح دیتے رہے، پھٹا پرانا کپڑا پہن کر اپنا فرض بحسن وخوبی ادا کرتے رہے، انسانیت کی خیر خواہی وبھلائی کا تادم حیات دم بھرتے رہے۔ جو راتوں میں گشتی مہم کے ذریعے اپنی انسانیت اور زندہ دلی کا ثبوت فراہم کرتے رہے، مصیبت زدہ لوگوں کے احوال وکوائف اور ان کی پریشانیوں سے براہ راست واقفیت حاصل کر کے اس کا ازالہ کرتے رہے، دن کے اجالوں اور رات کے اندھیروں میں ان کے عدل وانصاف کا ڈنکا بجتا رہا، اسی کے ساتھ ساتھ وہ انسانی گروہوں، حق کے متلاشیوں اور حکمران طبقوں کو بھی ان کے اعلیٰ اخلاق وکردار کا درس دیتے رہے اور بلا امتیاز مذہب وملت تمام انسانوں کو مادی مقاصد ومنافع کے حصول میں مدد ومعاون بنے رہے، انہوں نے اپنی بے مثال حکمرانی کا ریکارڈ قائم کیا، سیادت وقیادت کے ہر میدان میں مثالی خدمات اور عظیم کارناموں سے وہ تاریخ رقم کی، کہ زمانہ اس کی دوسری نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، وہ زندگی بھر اولوالعزمی اور اعلیٰ اخلاقی نمونے کا فریضہ انجام دیتے رہے، اخلاقی تعلیمات سے زندگی کے ساتھ ساتھ نظام حکومت کا لازمی حصہ بناتے رہے، حکومت کے میدان میں بڑے بڑے اصلاحات کے کاموں سے متعارف کراتے رہے حتی کہ تجارت وصنعت کو اپنی قائدانہ بصیرت سے فروغ وترویج دیتے رہے، نئے نئے شہروں کو بسانے میں اپنا کردار پیش کرتے رہے اور بے شمار محاسن وفضائل سے انسانیت کو آراستہ کرتے رہے، کبھی فتوحات کے سلسلے میں وسعت تو کبھی معیشت میں ترقی کے راستے ہموار کرانے میں کبھی کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

افسوس صد افسوس کہ امت مسلمہ نے یکم محرم الحرام سن 24 ہجری کو ان جامع اوصاف وکمالات سے متصف امیر المؤمنین اور خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رض کی شخصیت

کھودیا جن کی گرانقدر شخصیت کو اللہ ورسول کی تائید وحمایت حاصل تھی اور دنیا کو ایسی شخصیت کی شدید ضرورت تھی، 26 ذی الحجہ سن 23 ہجری میں صحابی رسول حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ایک مجوسی غلام ابولولو نے فجر کی نماز میں دوسرے جلیل القدر صحابی رسول کے جسم میں زہر آلود دودھاری خنجر گھونپ دیا! کہ آپ پھر جانبر نہ ہوسکے اور زخم کی تاب نہ لاکر آپ نماز کی حالت میں گر پڑے، جسم کے کئی حصوں پر تقریبا چھ گہرے زخم تھے، پھر بھی اشارے سے نماز کی تکمیل کیلئے کسی صحابی کو آگے بڑھایا۔ زخم سے مسلسل تین دن خون بہتا رہا اور آپ درد وتکلیف میں کبھی بیہوش ہوجاتے تو کبھی ہوش میں آکر وقت وقت پر نماز کی ادائیگی کرتے رہے اور امت کو اس کی تاکید فرماتے رہے، اپنا جانشیں بنانے کیلئے اجلہ صحابہ کی کمیٹی تشکیل دی، بالآخر یکم محرم سن 24 ہجری کو آپ اس دار فانی سے رخصت فرما گئے۔۔۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ۔۔۔ اس طرح آپ شہادت کے اس عظیم مرتبے کے بھی حامل ہوگئے جس کی آپ کو بڑی دیرینہ تمنا اور آرزو بھی تھی۔ کیونکہ آپ نے زخمی حالت میں دریافت کیا تھا کہ ہم کو کس نے مارا، ایک ایرانی مجوسی غلام ابولولو کا نام سن کر آپ اللہ کا شکر ادا کیا کہ کسی مسلمان نے ہمیں نہیں بلکہ ایک غیر مسلم شخص نے ہمارا قتل کیا ہے، جس کو کل ہم نے کسی خیر کا حکم دیا تھا۔

اس طرح تاریخ انسانی میں اس ملعون ابولولو فیروز نامی شخص نے اپنا ایک غلط ریکارڈ قائم کیا، جس کی توقع ان سے نہیں تھی اور نہ مدینہ منورہ کی پاکیزہ سرزمین اور وہاں کے ماحول وفضا سے تھی، مگر اس منحوس شخص نے امیر المومنین کو ان کی بھلائی کا بدلہ برائی سے دیا، اس نے اپنے فتنہ پرور ذہن ودماغ کے ساتھ مدینہ میں پرورش پاتا رہا، جس نے اپنا تعارف فاروق اعظم پر گھناؤنا وار اور بدبختانہ حملہ کرکے کرایا، حادثے سے چند گھنٹے قبل ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو کسی اچھے فیصلے کا مکلّف بنایا تھا اور خیر کا حکم دیا تھا۔ کسی اچھی بات کی تلقین فرمائی تھی اور ان کے ہنر اور ہوائی چکی بنانے کی مہارت کی بڑی تعریف بھی کی تھی، جس پر اس ملعون وبدبخت نے وعدہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم عنقریب آپ کو ایک ایسی چکی عنایت کریں گے جسکا مشرق ومغرب میں بڑا تذکرہ وچرچا قائم ہوگا۔ مگر اس بدعہد وفتنہ پرور شخص نے وعدے کے بالکل برخلاف کام کیا، شام میں امیر المومنین سے جھوٹا وعدہ کیا، چکی بنا کر دینے بجائے اس نے عین اسی دن صبح کی نماز میں ان پر جان لیوا حملہ کردیا، اسطرح اس نے محبت واخوت کا جواب اپنی منافرت وعداوت کی تلوار اور زہر آلود خنجر کے ذریعے دیا، امیر المومنین کیساتھ ساتھ دیگر چھ مزید صحابہ کرام کو بھی شہید کرڈالا، ایک طرف مسجد نبوی کے تقدس واحترام کا کوئی پاس ولحاظ نہیں کیا دوسری طرف اس نے معمولی باتوں کیوجہ سے ظلم وزیادتی اور ناحق قتل وخون کے عظیم گناہ وجرم کا ارتکاب کیا، اپنے ناپاک عزائم ومنصوبے کو دل میں چھپا کر بڑا افسوسناک واندوہناک کارنامہ انجام دیا، جس نے نمازیوں کا بھی کوئی خیال نہیں کیا، اپنے منافقانہ اور معاندانہ طریقے ورویے کیوجہ سے وہ اپنے خیرخواہ ومحسن کو پہچان نہیں سکا، خود بھی مٹا اور اپنے رہبر کو بھی مٹادیا۔

بات دراصل یہ تھی کہ وہ صحابی رسول حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا جو بہت اچھا کارپینٹر، نقش ونگار کا ماہر اور بہترین لوہار بھی تھا، جس سے وہ اپنی روزی روٹی کیساتھ ساتھ اچھی آمدنی بھی حاصل کرلیتا تھا۔ وہ روزآنہ دو درھم اپنے مالک حضرت مغیرہ کو اس آزادانہ زندگی کے عوض ادا

کرتا تھا، حضرت مغیرہؓ نے حضرت عمرؓ سے گزارش کی کہ ابولولو سے محصول میں اضافہ فرمادیں، مالک کی خواہش پر حضرت عمرؓ نے دو درھم یومیہ سے بڑھا کر ماہانہ سو درھم متعین فرمادیا، یعنی یومیہ ایک درھم چند فلوس کا اضافہ ہوا، ظاہرا اسی بات پر وہ حضرت عمرؓ کا باغی وقاتل بن گیا، باطنی طور سے وہ نفرت وعداوت کی آگ کو اپنے دل میں چھپائے رکھا، جھوٹا وعدہ کیا اور دوسرے ہی دن امیر المومنین پر پیچھے کی جانب سے جان لیوا حملہ کردیا جب کہ آپ فجر کی نماز میں تھے، انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ جیسی عظیم شخصیت پر حملہ کرکے اپنی جس بزدلانہ حرکت کا ثبوت فراہم کیا، ستم بالائے ستم یہ کہ لاٹھی کی طرح اپنے خنجر کو نچاتے ہوئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے باہر نکلنا چاہا تو اتنے میں تیرہ صحابہ کرام کو بھی زخمی کرڈالا، جن میں سے چھ صحابہ اسی حادثے میں شہید ہوگئے۔ پھر عبد اللہ بن عوف نے ابولولو پر کمبل ڈالا تو اس منحوس وملعون نے خودکشی بھی کرلی، اس کی نفرت وعداوت کی آگ کا فوراً یہ ردعمل ہوا کہ وہ خود بھی بری موت مرا اور فوراً جہنم رسید ہوگیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بددعا بھی لگی کہ خدا اس کا برا کرے۔

اس ایک درھم چند فلوس کے اضافے پر انتقام کے جذبے نے نہ اس کو ہی آباد رکھا اور نہ اسکا وہ کاروبار ہی آباد رہ سکا، جس سے وہ بڑا نفع کماتا تھا!! یہی انجام ہوتا ہے جب کسی انسان کے اندر صالح جذبات کے بجائے منفی جذبات پروان چڑھتے ہیں، شکر کے بجائے ناشکری اور احسان مندی کے بجائے احسان فراموشی کے موذی احساسات پرورش پاتے ہیں، بلاوجہ کسی محسن ومخلص قوم ومذہب کے خلاف نفرت وعداوت کی چنگاری سلگانا، ان کے حقوق کی پامالی کرنا، ان کی مذہبی وتعلیمی آزادی چھیننے کی کوشش کرنا اور ان سہولیات کی فراہمی سے منہ چرانا جن کی وہ مسلم قوم حقدار ہے، قاتل ابولولو اور شرپسند عناصر کے کالے کارنامے کی تجدید وترغیب ہے! جسکا نتیجہ یہی ہوگا کہ خود بھی برباد ہوں گے اور قوم وملک کو بھی تباہی وبربادی کے دہانے پر لا کھڑا کریں گے۔ جیسا کہ دور حاضر میں ہمارے ملک میں مسلمانوں کیساتھ ہو رہا ہے، کتنے ابولولو جیسے کردار کے حامی عناصر ہیں جو ملک کو اپنے ہاتھوں سے توڑ دینا چاہتے ہیں اور مسلسل اس کو نقصان پر نقصان پہونچاتے جارہے ہیں، نفرت وعداوت کے نتیجے میں اب تک کتنے بے گناہ اور بے قصور افراد اس کی آگ کی زد میں آگئے ہیں۔ پھر بھی ان عناصر کے دلوں کو تسکین حاصل نہیں ہو رہا ہے؟

آج ہمارے ملک میں اسی چند کوڑیوں کی حرص وہوس میں آکر چند فرقہ پرست پارٹیاں بالخصوص الیکٹرانک میڈیا، شرپسند عناصر اور بعض زرخرید غلام اپنا دین وایمان اور اخلاق وکردار بیچ رہے ہیں، حتی کہ اپنی انسانیت کا لبادہ اتار کر بے قصوروں اور مظلوموں کے قتل وغارت گری، ظلم وزیادتی اور مختلف تہذیبی وتمدنی تنازع، اخلاقی انارکی اور طبقاتی کشمکش پیدا کرنے کا موثر ذریعہ بن رہے ہیں اور حضرت عمرؓ اور ان کی عدالت وجرات کا نمونہ پیش کرنے کے بجائے ملعون ابولولو کا گھناؤنا کردار پیش کررہے ہیں، گودی میڈیا، فرقہ پرست اور شرپسند عناصر کو اب توبس کردینا چاہئے اور ملک کے سینے پر لگے بدترین داغ ودھبہ کو مٹادینا چاہئے، جن کی متعدد سازشوں اور پروپیگنڈوں کے ذریعے ہر روز کوئی نیا ایشو پیدا ہو رہا ہے، کوئی نیا ابولولو پیدا ہو رہا ہے اور نئی نئی شکل وصورت میں نمودار ہوکر اقلیتوں، مظلوموں اور بے سہاروں کا خون بہا رہا ہے اور انہیں غلط مقدمات میں الجھا کر

جہانگیر قیاس۔حیدرآباد

غزل

اک حادثے نے رکھ دیا ہے توڑ کر مجھے
"میں ہم سفر کو بھول گیا ہم سفر مجھے"

تو جارہا ہے دور بہت چھوڑ کر مجھے
تڑپائے گی ہمیشہ تری چشم تر مجھے

اے راہ بر ہیں آدمی ہی آدمی یہاں
شہر سکوں جہاں ہو تو لے چل ادھر مجھے

ارمانوں کے محل میں بناؤں گا کس لیئے
جب زندگی ملی ہے بہت مختصر مجھے

کس پر میں اعتماد کروں گا یہاں قیاسؔ
ملتا نہیں ہے کوئی بھی اب معتبر مجھے

اوچھی سیاسی مفادات کے حصول کا ذریعہ بن رہا ہے، اس طرح وہ سماج ومعاشرہ میں اخوت ومودت اور یکجہتی ویگانگت کے پیغام کو عام کرنے کے بجائے نفرت وعداوت، بھید بھاؤ اور افتراق وانتشار کا بیج بورہا ہے، جسکا پھل ملک میں بے روزگاری، مہنگائی اور وبا وبلا کی شکل میں سامنے ہے، پھر بھی ایسے لوگوں کو پہچاننا اور انہیں قرار واقعی سزا دلوانے کیلئے منتظمہ اور عدلیہ کے حوالے کرنا بہت ضروری ہوگیا ہے تا کہ ہمارا ملک ابولولو اور اسکے کردار کے حامل لوگوں سے بالکل پاک صاف ہوجائے، پھر کسی عمر اور ان کے چاہنے والوں کا دنیا میں کوئی خون خرابہ نہ ہوسکے۔۔۔ اللہ تعالیٰ حضرت عمر فاروقؓ کو ان کے تمام نیکیوں اور کارناموں کا بھرپور بدلہ عطا فرمائے اور ملعون ابولولو کا ہر جگہ خود بخود ستیاناس کرے۔۔۔

ثمینہ بیگم۔حیدرآباد

میراوطن

سارے جہاں سے پیارا میرا وطن ہے یارو
یہ گُل ستان سارا میرا چمن ہے یارو

ہر رُت بنی ہے ساتھی، موسم مرا پیا ہے
الفت کے رنگ و بُو سا میرا سجن ہے یارو

وادی میں بہتی ندیاں پربت سے ہے نکلتی
سارے جہاں سے جس کا پیارا بدن ہے یارو

ہے سے بنے ہیں ہندو، مسلم کا میم ہم میں
سارا چمن ہے میرا، میرا گگن ہے یارو

پربت ہے باپ سا تو مٹی بھی ماں کے جیسی
پربت کا سر پر سایہ، مٹی میں دھن ہے یارو

سرحد پر جو کھڑے ہیں بن کر ہمارے نگراں
حافظ ہمارے فوجی پرچم کفن ہے یارو

ہولی کے رنگ رنگی، روشن ہوئی دیے سے
ہر عید میں ثمینہؔ جگ بھی مگن ہے یارو

تحسین، نلگنڈہ۔تلنگانہ

جنگ آزادی 1857ء

1857ء کی جنگ آزادی ہندوستانی عوام نے بہت غیر منظم طریقے سے لڑی تھی اس جنگ میں جوش اور جذبہ زیادہ کام کر رہا تھا جہاں جوش جذبہ سے کام ہوگا وہاں ہوش مفلوج اور نامکمل ہوتا ہے جہاں ہوش گوش غور و تدبر سے کام کیا جاتا ہے وہاں کامیابی ملتی ہے۔

یورپ کے عیسائی ہندوستان اور دیگر ایشیائی ملکوں میں قدم جمانے کے لیے صدیوں قبل سے کام کر رہے تھے اس کوشش کے سلسلے میں انہوں نے ہندوستان کے بحری راستوں کا پتا لگا کر اس کے ذریعے آمد و رفت اور تجارت کو بہت ہی پوشیدہ انداز میں کرنے لگے اس سلسلے میں پرتگالیوں اور ہالینڈ سے کافی کشت خون ہوا۔

ہندوستان سے تجارت کر کے انگلستان اور فرانس چودھری بن گیا - انگلستان کی ایسٹ انڈیا کمپنی 1601ء میں تجارت کا سامان لے کر آئی اور کافی منافع کمایا-

انگریز مغل شہنشاہوں کو خوشامد، چرب زبانی، ذہانت، قابلیت، اور سنجیدگی سے زیر اثر کرتے گئے۔

انگریزوں مغل شہنشاہوں اور ان کے آباء واجداد کی تعریف کرتے اور ان کے لہو لعب کو پسند کر کے بڑھاوا دیتے تھے - بادشاہوں، حکمرانوں، زمینداروں، جاگیرداروں، اور امیروں کی ہاں میں ہاں ملاتے اور اپنا کام اور مقصد کو پورا کرتے۔ انگلستان بھی چند صدی قبل وحشی اور جنگلی ہی تھا کام اور شائستگی و بردباری انہوں نے یونانیوں اور مسلمانوں سے حاصل کیا - وہ اپنی ذہانت اور کوشش سے کہیں آگے بڑھ گئے اور مسلمان اونٹ کی مہار پکڑے رہ گیا۔

انگلستان کی بھی حکومت اور بردباد انگریزوں نے اپنے دو مقصد پورا کیئے۔

1) ایک تو ایشیائی ملکوں سے تجارت کر کے خوب دولت کمائی

2) دوسرا انگلستان کے جتنے بھی چور، اچکے، ڈکیت، گنوار، اوباش، بدطبیعت، جاہل اور آوارہ لوگوں کو قید خانہ، میں رکھ کر پرورش کرنے کے بجائے انہیں کمپنی کا ملازم بنا کر ایشیائی ملکوں میں روانہ کر دیا۔

انگریزوں کے علم دان افراد ہندوستان میں تفریح نہیں کر رہے تھے بلکہ ہندوستان کی قدیمی تاریخ، عظمت، شان و شوکت، سیاسی، اقتصادی اور مذہبی کتابوں کا انہماک سے مطالعہ کیا اور تاریخ کے بیش بہا خزانے کو صفحہ قرطاس پر پیش کر کے منظر عام پر لایا۔

بھگوت گیتا کا ترجمہ کیا - فارسی، اور بنگلہ کا ٹائپ ایجاد کیا ادھر انگلینڈ میں سنسکرت کا ٹائم ایجاد کیا۔

پتھروں کے کتبوں اور اس کی زبان کو پڑھ کر ترجمہ کیا۔ ہال لینڈ نے 1787ء میں سنسکرت کا گرامر شائع کیا۔ زبانوں کی یکسانیت کا نظریہ پیش کیا۔ اس نے یہ ثابت کیا کہ سنسکرت کے الفاظ، فارسی، عربی، لاطینی، اور یونانی زبانوں کے الفاظ سے مناسبت رکھتے ہیں اس طرح انگریزوں نے حکومت بھی کی اور ہندو اور مسلمانوں کے تمدن کے ساتھ۔

سماجی، معاشی اور مذہبی ہم آہنگی کا گہرائی سے مطالعہ بھی کیا۔ حکومت گنڈہ گردی سے نہیں ملتی اس کے لیے کچھ اصول بھی بنائے جاتے ہیں انہیں اصولوں کے مطابق حکومت کے نظم و نسق کو درست کر کے انتظام کیا جاتا ہے۔

مغل حکومت روبہ زوال پذیر ہوتی گئی اور انگریز تجار اور علمدان ملک کے ہر گوشۂ حیات اور دربار شاہی کے قریب سے قریب تر ہوگئے۔ مغل شہنشاہوں میں اورنگ زیب ایک عجیب و غریب اور مدبر شہنشاہ گزرا ہے۔ اورنگ زیب نے خلافت ثلاثہ، بنی امیہ کی حکمرانی اور بنی عباسی کی شہنشاہیت وغیرہ کا ڈوب کر جائزہ لیا وہ خود بھی علمداں تھا۔ اورنگ زیب کی عمر بھی دراز رہی اور مغل شہنشاہوں سے کہیں زیادہ سال تک حکومت کی ہے۔ اور نصف صدی تک حکومت کرتا رہا۔ اورنگ زیب نے 94 سال کی عمر میں انتقال کیا۔

اس نے اپنے باپ شاہ جہاں کو لال قلعہ میں قید کر کے ایذائیں دیں۔ اور بھائیوں کو بے پناہ کر کے قتل کر دیا۔ اورنگ زیب خلافت ثلاثہ کا صحیح جانشین اور پیروکار تھا۔ بہرحال اورنگ زیب کے بعد مغل شہنشاہیت بہت تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہونے لگی۔ اور اس کے دولڑکے معظم اور اعظم کے درمیان حکومت کے لیے خون ریز جنگ ہوئی اور اعظم ہار گیا معظم بہادر شاہ کے لقب سے مغل تخت شاہی پر جلوہ گر ہوا۔

لیکن ہندوستان کے چاروں طرف مغل شہنشاہیت خلاف اور خودمختاری کے لیے جنگ شروع ہوگئی 1712ء میں معظم بہادر شاہ کا انتقال ہوگیا۔

انگریز پورے ہندوستان پر جال بچھا چکے تھے اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنا خونی پنجہ گاڑ دیا تھا۔

معظم بہادر شاہ کے بعد حکومت کے لیے ایسی رشیہ دانیاں شروع ہوتیں کہ سلطنت مغلیہ کے شہنشاہ شطرنج کے مہرے بن گئے اور آٹھ عدد شہنشاہ ہندوستان کے ایک بعد ایک بنے جن کے نام اس طرح تاریخوں میں ملتے ہیں۔ (1) جہاندار شاہ (2) فرخ سی (3) محمد شاہ (4) احمد شاہ (5) عالم گیر ثانی (6) شاہ علم ثانی (7) اکبر ثانی اور (8) بہادر شاہ ظفر جو محض قلعہ تک محدود ہوگئے اور انگریزوں کے پنشن دار وظیفہ خوار تھے۔

ہندوستان کی جنگ آزادی

ہندوستان میں انگریزوں سے بیزاری اور جنگ آزادی کی شروعات کسی مستحکم اور ملک گیر نظریہ کے مطابق نہیں شروع ہوئی۔ اس لئے 1857ء تک کامیابی نصیب نہیں ہوئی اور ہندوستانی غلام بن گئے۔ اس درمیان جس قدر انگریزوں کے خلاف کارروائی ہوئی وہ علاقائی، بیعت، تعلقدار، صوبیدار، قومیت، فرقہ، کے مذہبی جماعت اور خود مختاری کے پیش نظر تھی۔ ہندوستانیوں کو مختلف طریقوں سے انگریز تقسیم کر رہے تھے۔ جس میں مسلک اور مذہبی تفریق اور علاقائی عصبیت زیادہ کارگر ثابت ہوئی۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد انگریزوں کو موقع ملا اور انہوں نے اخبار کتابوں، تقریروں، خطوط اور پروپیگنڈہ کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کو ابھارنا اور ہر مسلمان بادشاہوں کے مظالم کی کہانی کو حقیقت کم جھوٹ زیادہ شامل کر کے جذبات کو مشتعل کرنا شروع کر دیا۔ ویسے بھی ہندو، مسلمان حملہ آور شہنشاہوں سے اندرونی طور پر خوش نہیں تھے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا مقصد دولت حاصل کرنا اور اسی کے ذریعہ ہندوستان پر حکومت کرنا۔ مغل سلطنت کے زوال کے بعد مسلم اور ہندو کی خودمختار ریاستوں نے جنم لینا

شروع کیا۔ موجودہ ہندوستان جو ایک ہے وہ مسلمانوں کی دین ہے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس توڑ پھوڑ میں بھی مدد کی اور سالانہ ٹیکس باندھ دیا۔ وہ انگلستان کے مہذب اور شریف لوگ نہ تھے۔ انہوں نے ظلم وزیادتی، غنڈہ گردی اور دہشت گردی سے کام لینا شروع کردیا، جیسے چاہا تخت نشین کردیا جیسے چاہا تخت سے زیر زمین کردیا۔

انگریزوں کے پیش نظر ہندوستان اور ہندوستانی قوم تھی جسے کسی نہ کسی طرح سے ظلم اور بربریت کے ذریعہ مغلوب بنا کر حکومت کرنا تھا اور یہاں کی دولت اور نادرات کو انگلستان منتقل کر کے خود بھی دولت مند بننا تھا۔ اس مقصد میں وہ 1857ء میں کامیاب ہوئے۔ اس جنگ میں انگریز کامیاب ہوگئے اور ہندوستان کے مالک بن کر حکومت کرنے لگے۔

ہندو اور مسلمان کے اندر فساد کا سلسلہ جاری تھا۔ مگر انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہونے کے سلسلے میں ایک نظریہ رکھتے تھے۔ اسی کے پیش نظر کانگریس کا پہلا اجلاس 1885ء میں بمبئی میں ہوا۔ اس سے جو فضا بن رہی تھی اور کئی ایک سیاسی جماعتیں بن گئی تھی۔ ان سب کی کانگریس کو تائید مل گئی۔

آخر ہندوستان سے انگریزوں کا بستر بندھنے لگا۔ اور 14 اگست 1947ء اور 15 اگست 1947ء کو مسلمانوں اور ہندوؤں کے چند سیاسی رہنماؤں کی خودغرضی سے ملک تو آزاد ہوگیا۔ مگر دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ ہندوستان اور پاکستان۔

(بقیہ، ص: ۱۹ ر کا)

ارکان اسلام یعنی کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو دین اسلام نے وقت سے مربوط رکھا ہے۔ فرعون کے دعویٰ ایمان کو کالعدم صرف اس لیے قرار دیا گیا چونکہ اس نے وقت گزرنے کے بعد اپنے ایمان کا اظہار کیا، اگر کوئی وقت گزرنے کے بعد فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی مقررہ رکعتوں کے مقابل کروڑہا رکعتیں ادا کرے تب بھی اسے فرض کی ادائیگی کا ثواب نہیں ملے گا بلکہ اس کی نماز قضا ہی کہلائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی رمضان المبارک کا ایک روزہ چھوڑ کر زندگی بھر روزہ رکھے تب بھی اسے روزے کی وہ فضیلت حاصل نہیں ہوگی جو رمضان المبارک کے ایک دن میں ملتی ہے۔ مالدار پر زکوٰۃ اسی وقت فرض ہوتی ہے جب ایک سال کا وقت گزر جائے۔ یہی حال میدان عرفات میں قیام کا ہے 9 ذی الحجہ کو کسی نے عرفات کے میدان میں قیام کیا تو حج کا رکن اعظم ادا ہوگیا اس کے برعکس اگر کوئی 9 ذی الحجہ کو چھوڑ کر سال بھر میدان عرفات میں قیام کرے تو اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا چونکہ وقت چلا گیا۔ دین اسلام میں وقت کو اتنی اہمیت دی گئی لیکن اس کے باوجود مسلم نوجوانوں کی اکثریت آج اپنا قیمتی وقت سوشل میڈیا پر ضائع کر رہے ہیں۔ کیا ہمارے اس عمل سے نحوست نہیں آئے گی؟ ماہ صفر المظفر کو منحوس قرار دینے سے بہتر ہے کہ ہم ان اسباب وعلل کا جائزہ لیں اور ان کو ترک کرنے کی حتی الوسع کوشش کریں جن کے ارتکاب سے حقیقت میں نحوست آتی ہے۔ آخر میں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ بطفیل نعلین پاک مصطفیٰ ﷺ ہمیں زندگی کا ہر لمحہ تصور بندگی کے ساتھ گزارنے کی توفیق رفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین طٰہٰ ویٰسین۔

ڈاکٹر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی القادری الملتانی۔کامل الحدیث جامعہ نظامیہ M.A., M.Com., Ph.D(Osm)

اسلام کے مطابق ماہِ صفر کی حقیقت کو سمجھنا اور سمجھانا وقت کی اہم ضرورت

نحوست کا تعلق انسان کے بداعمالیوں سے ہے نہ کہ کسی لحہ، دن، مہینہ یا سال سے۔ بعض وقت یہ منفی سوچ کہ یہ گناہ تو چھوٹا ہے انسان گناہ کے ارتکاب پر آمادہ عمل کر دیتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ گناہ چاہے صغیرہ ہو یا کبیرہ اس کا منفی اثر فرد اور معاشرے دونوں پر پڑتا ہے۔ علماء اعلام فرماتے ہیں کہ اگر کسی انسان صغیرہ گناہ کو بھی جرأت اور دلیری کے ساتھ انجام دیا تو وہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔ بداعمالی مسموم غذا کی طرح ہے جس کا راست اثر انسان کے جسمانی نظام پر پڑتا ہے جس کے سبب اس کی صحت بری طرح متاثر ہوجاتی ہے اور وہ نحیف و ناتواں ہوجاتا ہے اسی طرح بداعمالیوں (چاہے صغیرہ ہوں یا کبیرہ) کے اثرات انسان کے اخلاقی نظام پر پڑتے ہیں اس طرح معاشرے میں انسان کی حیثیت ختم ہوجاتی ہے اور لوگ اس پر اعتماد کرنا ختم کردیتے ہیں نتیجتاً وہ کھلے عام اپنے زیردستوں اور مظلوم کے حقوق تلف کرنے کا عادی بن جاتا ہے جس کے سبب ظلم کے شکار لوگوں کے دل میں اس کے لیے نفرت و عداوت کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اس طرح معاشرتی نظام پوری طرح درہم برہم ہوکر رہ جاتا ہے۔

علاوہ ازیں بعض گناہوں کے اثرات ایسے بھی ہیں جس کا مشاہدہ انسان اپنی آنکھوں سے نہیں کرسکتا جیسے قطع تعلق سے عمر میں کوتاہی کا واقع ہونا، اکل حرام سے دل کا سخت ہوجانا، فحاشی اور بے حیائی سے رزق میں کمی واقع ہونا وغیرہ۔ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ جو لحہ انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزارے وہ ساعت اس کے حق میں مبارک و مسعود ہے اگرچہ وہ لحظہ ماہ صفر بالخصوص ماہر صفر کی 13 تاریخ کا ہی کیوں نہ ہو اسی طرح جس گھڑی انسان نے گناہ کا ارتکاب کیا وہ وقت انسان کے لیے منحوس ہے اگرچہ اس کا یہ فعل رمضان المبارک جیسے بابرکت مہینہ ہی میں کیوں نہ ہو۔ ماہ صفر المظفر سے متعلق مسلم معاشرے میں پائی جانے والی عجیب وغریب توہمات، بدعات، رسومات، خرافات، نظریات بد اور باطل شبہات و خیالات کا اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ نہ صرف ہمارے فاسد عقیدے اور ضعف ایمانی کی عکاسی کرتا ہے بلکہ یہ تو دور جاہلیت کی نشانی ہے۔

ماہ صفر المظفر کے متعلق عوام الناس میں اکثر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ اس ماہ میں کثرت سے بلائیات کا نزول ہوتا ہے۔ جبکہ قرآن مجید ناخوشگوار واقعات، دردناک حوادثات، روح فرسا بلائیات کے نزول کا اہم سبب انسان کے گناہوں کو قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید نے خشکی وتری میں ظاہر ہونے والے مفاسد اجتماعی جیسے زلزلے، سونامی، طوفان، قحط وخشک سالی، امساک باران، مہلک امراض کا پھوٹنا، وغیرہ اوران کے زیاں آور اثرات کو بھی انسان کی بداعمالیوں اور بداخلاقیوں کا ردعمل قرار دیا ہے۔ اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ انسان کو درپیش مسائل میں کسی لحہ، دن، مہینہ یا سال کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ انسان کے اپنے بداعمالیوں کا خمیازہ ہے جس کی وجہ سے اس کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے یہ بھی بیان فرمایا کہ بعض اوقات اس طرح کی مصیبتیں اور زندگی میں ہونے والے عارضی تغیرات انسان کو غرور وتکبر سے بیدار کرنے کے لیے

ہوتے ہیں یا پھر انسان کے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے ایک مقام پر مصیبتوں کو انسان کی بداعمالیوں کا ردعمل قرار دیا تو ایک مقام پر مصیبتوں کو خدائی آزمائش کا ذریعہ بھی قرار دیا۔ اس فرق کے بابت جب کسی نے تاجدار ولایت حضرت سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے دریافت کیا کہ جب انسان کو مصیبت پہنچے تو اسے کیسے معلوم ہو کہ یہ مصیبت اس کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے یا خدا کی طرف سے آزمائش۔ حضرت مولا علیؑ نے جواباً ارشاد فرمایا انسان مصیبت زدہ ہونے کے بعد راہ راست سے ہٹ جائے تو سمجھ لینا یہ اس کی بداعمالیوں کی سزا ہے اور جب کسی مصیبت زدہ انسان کو دیکھو کہ وہ مصائب و آلام کے باوجود اپنا رشتہ رب سے جوڑا ہوا ہے تو سمجھ جانا یہ رب کی طرف سے اس کے ایمان کی آزمائش ہے۔

مسلمانوں کو اگر واقعتاً آفات و بلائیات اور سلب برکات سے اپنے آپ کو محفوظ و مامون رکھنا ہے تو انہیں چاہیے کہ خرافات کا شکار ہونے کے بجائے رجوع الی اللہ ہوں، اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں اور مستقبل میں کسی گناہ میں ملوث نہ ہونے کا عہد کریں۔ یہ باطل عقیدہ بھی مسلمانوں میں پایا جاتا ہے کہ اس ماہ میں جنات کا کثرت سے نزول ہوتا ہے جو انسان کو ضرر پہنچاتے ہیں جبکہ آقائے نامدار رسول عربی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر پوری کائنات مل کر بھی اس بندے کو نقصان و ضرر نہیں پہنچا سکتی جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں سے سرفراز کرنا چاہے اسی طرح پوری کائنات مل کر بھی اس شخص کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی جسے رب اپنی رحمت سے دور کرنے کا ارادہ فرما چکا ہو۔ اس حقیقت کو جاننے کے باوجود اب اگر کوئی مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ ماہ صفر نحوست کا مہینہ تو یہ سراسر شرک ہے چونکہ تاجدار مدینہ ﷺ نے واضح طور پر فرمادیا کہ نفع و ضرر کا مالک حقیقی رب کائنات ہے اور کوئی نہیں اور اگر کوئی یہ کہے کہ میرے گھر میں مصیبتوں کا نزول ماہ صفر کی وجہ سے ہے تو گویا اس نے نفع و ضرر کا مالک ماہ صفر کو مان لیا ہے اور یہ شرک ہے چونکہ ہم نے نفع و ضرر کے مالک ہونے میں اللہ تعالیٰ اور ماہ صفر کو شریک کر دیا۔ ماہ صفر کو منحوس سمجھنے کی کوئی حقیقت نہیں ہے نہ اس کا ذکر قرآن مجید میں اور نہ حدیث رسول ﷺ میں۔

تمام حقائق کو جاننے کے باوجود باطل کی راہ اپنانا یہودیوں کی روش ہے مسلمانوں کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ترجمہ: ''کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ (اب) اعتقاد رکھنے لگے ہیں جبت اور طاغوت پر'' (سورۃ النسآء آیت 51) جبت کے معنی وہم پرستی اور خرافات کے ہیں جبکہ طاغوت کے معنی احکام الٰہی کے خلاف غلط نظریات اور اپنے وضع کردہ قوانین کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے ہیں یعنی ہدایت کے مقابل گمراہی کو ترجیح دینا۔ ماہ صفر اور بالخصوص اس ماہ کی تیرہ تاریخ کو منحوس سمجھنا نہ صرف توہم پرستی ہے بلکہ احکامات الٰہی کے مقابل اپنے باطل نظریات کو ترجیح دینا بھی ہے جو کہ یہودیوں کی صفت ہے۔ اسلامی تعلیمات سے دوری کے باعث مسلمانوں کا ایک طبقہ ماہ صفر کو منحوس قرار دے کر یہودیوں کی ان مذموم صفات کا شکار ہو رہا ہے (العیاذ باللہ)

ہم سب کو نہ صرف اس سے بچنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے بچانے کی حتی المقدور سعی کرنی چاہیے۔ اصل نحوست غرور و تکبر کرنے میں ہے اسی لیے روایت میں آیا کہ غرور و تکبر کرنے والا جنت میں جانا تو درکنار جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا لیکن آج ہمیں علم و فراست پر غرور ہے، مال و دولت پر غرور ہے، حسن و جمال پر غرور ہے، رتبہ و منصب پر غرور، اثر و رسوخ پر غرور ہے، حسب و نسب پر غرور ہے۔ اسی طرح جب انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اہم نعمت یعنی وقت کو فضول باتوں میں ضائع کر دیتا ہے تو اس کی زندگی میں نحوست آتی ہے۔ (بقیہ، ص: ۱۷ پر)

یاسمین۔ گیسٹ فیکلٹی، جونیئر کالج گرلس نلگنڈہ، تلنگانہ

ہندوستان کی جنگ آزادی اور چنندہ خواتین کا کردار (۱)

تواریخ ہند ہمارے ملک کا ایک بے بہا خزینہ ہے اس کے مطالعے سے ہم انمول سبق آموز موتی حاصل کر سکتے ہیں تواریخ صرف ہماری تہذیب اور ہمارے تمدن پر ہی روشنی نہیں ڈالتی بلکہ ہماری خامیوں اور غلطیوں کو بھی بنالاگ لپٹ ہماری روبرو کر دیتی ہے۔ تواریخ ایک تصویر ہے جس میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ہم پہلے کیا تھے اور اب کیا ہیں۔

ہماری تواریخ شجاعت و دلیری ایثار قربانی کی بے پناہ مثالوں سے پڑی ہے ایسے بہادروں کی کمی نہیں جنھوں نے وطن کی آبرو کے لئے اپنا تن من دھن سب کچھ نچھاور کر دیا۔ ان بہادروں کی کہانیاں بدن کے رونگٹے کھڑے کر دیتی ہیں۔ انگریز ہندوستان میں سترھویں صدی عیسوی میں آئے ہندوستان کی شادابی اور زرخیزی پر انھوں نے طمع خیز نظریں ڈالیں کہ اس وقت ملک کا عجیب نقشہ تھا یہاں کے لوگ بھولے بھالے سادہ دل اور مہمان نواز تھے لیکن ان میں اتحاد یکجہتی نہیں تھی ان کے دل آپس میں ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے تھے انگریزی مکار اور عیار قوم کے تجارت پیشہ لوگ تھے ان لوگوں نے کنیہ توزی سے حالات کا جائزہ لیا۔ اور ہندوستانیوں کی آپسی پھوٹ سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اس فن میں طاق تھی، اس نے تدابیر شروع کر دیں کہ کس طرح ہندوستان پر تسلط جمایا جائے ملک کی بدقسمتی سے دیسی راجاؤں، نوابوں اور جاگیرداروں کے ذریعے انہیں ایک طبقہ ایسا مل گیا جس کے ذریعہ وہ ہندوستان کے بڑے حصے کے مالک بن بیٹھے (بنگال)۔

آج ہم آزاد ہندوستان میں سانس لے رہے ہیں واقعی یہ خوشی کا موقع ہے صدیوں کی غلامی کی بیڑیوں کو توڑ کر ملک آزاد ہوا اور دنیا میں سب سے بڑی جمہوریت بن کر ابھر رہا ہے ہمارے لئے یہ باعث افتخار ہے لیکن اس کے حصول کے لئے ہمارے اجداد نے جو صعوبتیں اور اذیتیں اٹھائیں حتیٰ کہ اپنی جانیں بھی قربان کیں انھیں بھی یاد رکھنا ضروری ہے یہ آزادی اسی خوں شہیداں کا ثمرہ ہے ان شہیدوں کے لئے سب سے بڑا نذرانہ عقیدت یہ ہوگا کہ آزادی کی جس مشعل کو انھوں نے اپنے لہو سے روشن کیا اسے اور بھی زیادہ تابناک کیا جائے۔

مجاہدین آزادی کا لفظ سنتے ہی ہمارا ذہن ان لاکھوں انسانوں کی قربانیوں اور ان کے عظیم کارناموں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جن میں بہت سے لوگوں نے قوم کی سربلندی اور اس روشن مستقبل کی راہوں میں اپنی جانیں قربان کر دیں ان ہی عظیم ہستیوں کے جذبات واحساسات جرأت وشجاعت، شرافت نفسی اور بلند عزائم تک رسائی حاصل کرنے اور انہیں محفوظ کرنے کی ایک کوشش ہے۔

دنیا کے اندر کسی بھی قسم کی غلامی چاہئے وہ سماجی ہو یا معاشی یا سیاسی ہمیشہ لوگوں میں شدید تاب مقاوت پیدا کرتی ہے ہندوستان پر غیر ملکی تسلط کی تاریخ بھی جدوجہد آزادی کے ایسے کارناموں سے معمور کے لئے عوام نے ایثار قربانی

اور عزم و حوصلہ کا ثبوت دیا اور اپنی زندگیاں وقف کر دیں تھیں برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کی تاریخ 1857ء کے مجاہدانہ سرگرمیوں سے شروع ہوتی ہے گاندھی جی' جواہر لال نہرو' امبیڈکر' سبھاش چندرا بوس' ٹیپو سلطان' ابوالکلام آزاد جیسے عظیم رہنماؤں کے قومی مجاہد اپنے ملک کی آزادی کے لئے اسی خلوص نیت' جانسوزی اور اتحاد باہمی کے ساتھ مسلسل جدوجہد میں مصروف رہے۔ ہماری تاریخ کا یہ ایک ایسا باب ہے جو ہماری آئندہ نسلوں میں زندگی کی روح پھونکتا رہے گا۔

جن سورماؤں نے آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیا وہ ملک کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے مادر وطن کی سچی محبت اور اس کو غلامی کے پنجے سے نجات دلانے کا شدید جذبہ ان کے وجود میں سرایت کر گیا تھا۔ ہندوستان کے شہیدانِ آزادی کا یہ تذکرہ جہاں ان کی یادوں کو زندہ و تابندہ بنانے کا خیال مضمر تھا یہ تذکرہ ہماری آنے والی نسلوں کو یاد دلاتا رہے گا کہ آزاد ہندوستان کی تعمیر میں بے شمار قربانیاں دی گئی ہیں گاندھی جی کے آزاد ہندوستان کا خواب انہیں مجاہد آزادی کی ہزار قربانیوں کی بدولت پورا ہوا۔ آنے والے برسوں میں بھی ہمیں سماجی' معاشی غلامی خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھنی ہوگی تا کہ ہماری آزادی ایک نئے عنوان اور ایک نئے مفہوم سے ہمکنار ہو سکے۔ مجاہدین آزادی کے یہ ولولہ انگیز کارنامے یقیناً ہمارے لئے تقویت کا سرچشمہ ثابت ہوں گے ہندوستان ایک وسیع ملک ہے اپنی جغرافیائی ساخت کے اعتبار سے ایک براعظم ہے جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے اور مختلف زبان بولنے والے آباد ہیں دوستوں کے لیے اس کا دل وسیع ہے مگر دشمنوں کے لیے اس دل میں جگہ نہیں ہندوستانیوں نے بلاتفریق مذہب وملت آزادی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ ہندو اس ملک کو بھارت ماں کہتے ہیں اور ہم اسے مادر وطن کہتے ہیں وطن کی محبت ہمارے ایماں کا جز ہے اگر کسی کے دل کو ٹٹولا جائے تو اسے اپنے صوبہ سے محبت ہے اس کے بعد اس کو اپنے ضلع سے محبت ہے اس کے بعد اس کو اپنے گاؤں سے محبت ہے اور پھر گاؤں میں اسے اپنے گھر سے محبت ہے اس طرح ہر ہندوستانی کو اپنے وطن سے محبت ہے۔

ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے آزادی کے متوالوں نے 1857ء میں آواز اٹھائی بغاوت کی اور آزادی کی مانگ رکھی جسے انگریزوں نے غدر کا نام دیا۔ آزادی کی اس پہلی جنگ میں ہندوستانی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے لیکن انگریزی حکومت کی بنیادیں ضرور ہل گئیں۔ آگ بظاہر بجھ گئی لیکن چنگاری دلوں میں دبی رہی اور بیسوی صدی کے آغاز میں شعلہ بن کر بھڑکی۔ "لوک مانیہ تلک" نے نعرہ بلند کیا" آزادی میرا پیدائشی حق ہے اور میں اسے لیکر رہونگا" ان کے ساتھ موتی لال نہرو 'سبھاش چندرا بوس' سردار ولبھ بھائی پٹیل 'پنڈت نہرو' گاندھی جی وغیرہ نے آواز ملائی آزادی کی جنگ نے زور پکڑا۔ پورا ہندوستان ایک ہوگیا نتیجتاً 1947ء میں انگریزوں کو اقتدار چھوڑنا پڑا۔ ملک آزاد ہوگیا۔

جنگ آزادی میں جہاں سینکڑوں' ہزاروں' لاکھوں مردوں نے ظلم سہے جیل گئے پھانسی چڑھے وہاں خواتین ہند بھی پیچھے نہیں رہیں انھوں نے صرف اپنے شوہروں اور بیٹوں کو جنگ میں حصہ لینے کے لئے راغب کیا بلکہ خود ان کا ساتھ دیا۔ جلسے جلسوں میں شرکت کی مظاہرے کئے گرفتار ہوئیں جیل کی صعوبتیں برداشت کیں بلکہ گولیاں کھائیں

زندہ جلیں اور پھانسی چڑھیں۔آزادی کی پہلی لڑائی میں مہا رانی لکشمی بائی کی خاتون فوج نے ایک مثال قائم کی تھی اسی لئے 1885ء کا کانگریس کی تشکیل کے بعد خواتین نہایت جوش وخروش کے ساتھ آزادی کی جنگ میں شامل ہونے لگی تھیں۔گاندھی جی نے ہمیشہ خواتین کی طاقت کو تسلیم کیا جنگ آزادی میں خواتین کے حصے کو لے کر وہ صاف کہتے ہیں "قومی تحریک آزادی کی تاریخ بھارت کی خواتین کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی"

جنگ آزادی کی ان جانباز خواتین نے آزادی کی خاطر تمام تکالیف کا سامنا کیا ان کے دلوں میں ملک سے محبت کی جو شمع روشن تھی اس نے صعوبتوں کے اندھیروں کو ان پر حاوی نہیں ہونے دیا۔تاریخ گواہ ہے کہ ہندوستان جنت شاں کی سرزمین پر جہاں ہماری مایہ ناز خواتین نے اقتدار سنبھالا تلوار اٹھائی ملک کے آزادی کے لئے پرچم لہرایا ملک کی حفاظت کے ساتھ پیکر وفابن کر اس کی قومی یکجہتی کو بحال رکھا۔

جنگ ہمیشہ ہتھیاروں ہی سے نہیں لڑی جاتی حکمت سے بھی لڑی جاتی ہے جنگ میں قربانیاں دی جاتی ہیں مثالیں قائم کی جاتی ہیں۔آزادی کی جنگ میں بھی خواتین نے چند ایسی مثالیں قائم ہیں۔جن پر بجا طور پر فخر کیا جاسکتا ہے جنگ آزادی کی ان جانی انجانی مجاہ ءخواتین کے کارہائے نمایاں کا جائزہ لینا ضروری بھی ہے آج کے اس جدید دور ہی میں عورتیں مرد کے شانہ باشانہ کام کررہی ہیں تاریخ کے اس دور میں بھی وہ مردوں کے ساتھ تھیں جب ہندوستانی آزادی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کررہے تھے۔

بیگم حضرت محل

بیگم حضرت محل کا شمار ہندوستان کی ان نامور ہستیوں میں ہوتا ہے جن کی جانبازی اور قربانی سے تاریخ کے اوراق درخشاں ہیں 1857ء کے غدر میں بیگم صاحبہ نے اپنی دلیری روشن دماغی اور حب الوطنی کا جو ثبوت پیش کیا اس کے پیش نظر تاریخی شہ پارے کے مصنف کا قول ہے کہ

"اگر یہ باہمت عورت کسی اور قوم میں پیدا ہوتی تو سینکڑوں کتابیں اس کے بارے میں لکھی جاتیں اور اس کا نام ہر شخص کی زبان پر ہوتا" (ص114۔ خواتین ہند کے تاریخی کارنامے۔فضل حق عظیم آبادی)

لیکن حسب بالا قول کے برعکس وہ عظیم مجاہدہ جس کی بہادری اور فراست پر خود شجاوت کو ناز ہے جس کی سیاست نے انگریزوں کی شاطرانہ سیاست سے زبردست ٹکر لی۔جس کی انتظامی صلاحیت کا لوہا بڑے بڑے مدبروں نے تسلیم کیا۔جس نے بڑے بڑے تاریخی نویسوں 'سرداروں اور رپورٹروں کے دل جیت لئے جو اس ملک میں ہندو مسلم اتحاد کا علمبردار تھی اور جس نے پیشانی کے باوجود انگریزوں کی تابعداری قبول نہیں کی از ہندوستان نے اسے فراموش کردیا۔

بیگم حضرت محل کا اصلی نام محمدی خانم تھا اور کہیں پر لکھا ہوا ہے کہ ان کا ایک اور بچپن کا نام امراو بیگم بھی تھا اور یہ فیض آباد یوپی کی تھیں یہ واجد علی شاہ کے خواصین کے طور پر داخل ہوئیں بیگم حضرت محل پٹھانوں کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور انھیں ایک دلال نے باقاعدہ ان کو ان کی قیمت ادا کر کے انہیں نواب صاحب کی پریوں میں داخل کیا۔پہلے تو یہ صرف ڈانس سیکھتی رہیں اور بعد میں نواب صاحب نے ان کی ذہانت دیکھ کر ان سے شادی کرلی۔اور یہ واجد علی شاہ کی تیسری اور آخری بیوی تھیں جب انھیں لڑکا ہوا تو ان کو نواب اودھ کے طرف سے حضرت محل کا خطاب دیا گیا۔بیگم حضرت

محل کی ابتدائی زندگی پردہ راز میں ہے وہ ایک پری کی حیثیت سے واجد علی شاہ کے حرم میں داخل ہوئی تھیں رفتہ رفتہ ترقی کر کے حضرت محل کہلائیں واجد علی شاہ نے کبھی انھیں اتنی اہمیت نہیں دی کہ اپنے ساتھ کلکتہ لے جاتے لیکن اسی بیگم نے تاریخ میں ان کا نام روشن کیا۔

1856ء میں نواب واجد علی شاہ پر عیش پرستی اور سلطنت کی طرف سے لاپرواہی برتنے کے الزامات عائد کر کے جلا وطن کر دیا گیا۔ حضرت محل نے اودھ کی حکومت سنبھالنے اور انقلابیوں کی قیادت کرنے کی حامی بھر لی اپنے نابالغ بیٹے برجس قدر کو تخت پر بٹھا کر وہ میدان عمل میں اتر آئیں حضرت محل نے جن شرائط پر قیادت قبول کی تھی انھیں دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسی ذاتی فائدے کے لئے نہیں بلکہ جذبہ حب الوطنی کے تحت انھوں نے انگریزوں سے ٹکر لی تھی۔

حضرت محل اپنے بیٹے برجیس قدر کے حکومت کے کام بھی انجام دیتی تھیں اور بہادرانہ طریقہ سے فوج کی بھی قیادت کرتی تھیں انگریز چاہتے تھے کہ اگر حضرت محل لڑائی بند کر دیں تو ان کا وظیفہ جاری کر دیا جائے گا مگر وہ اس کو انگریزوں کا فریب سمجھتی تھیں وہ بڑے حوصلے اور مستقل مزاجی ان کا مقابلہ کرتی رہیں عالم باغ کے معرکے خود فوج کی کمان سنبھالی اور سالاری کے کام کو انجام دیا۔

1858ء میں بیگم حضرت محل نیپال روانہ ہوئیں جہاں انگریزوں سے پھر ان کا مقابلہ ہوا انگریزی فوج شکست کھا کر پیچھے ہٹی اور چڑھ کر نیپال کے مہاراجا سے بیگم اور ان کے ساتھیوں کو نیپال سے نکال دینے کے لئے کہا نیپال کے مہاراجا نے حضرت محل اور برجیس قدر کو پناہ دینا منظور کیا مگر ان کے ساتھیوں کو نیپال سے نکل جانے کو کہا بیگم حضرت محل نے اس تجویز کو منظور نہیں کیا انھوں نے کہا "میں آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہوں مگر انگریزوں سے سمجھوتہ کرنے کو ہرگز تیار نہیں"

دوسری طرف ان کے وفادار دوستوں میں ہردوئی کے تعلقہ دار جوتن تنہا لڑتے رہے یہاں تک کہ انگریزوں کی گولیوں نے انھیں بھون دیا۔ نیپال کے محرکہ کے بعد بیگم حضرت محل کی انقلابی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں کیونکہ نیپال کے مہاراجا نے ان کی رسد روک دی تھی، اس وقت اگر گورکھا سپاہیوں نے اپنے مہاراجہ کی قیادت میں بیگم حضرت محل کا ساتھ دیا ہوتا تو آج آزادی کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

انگریزوں نے ملکہ وکٹوریہ کا اعلان شائع کرایا جس کا نہایت معقول جواب حضرت محل نے دیا ملکہ کا اعلان تو تاریخ کے صفحات میں گم ہو گیا جبکہ بیگم حضرت محل کے جواب کو تاریخ نے محفوظ کر لیا لکھنو میں یہ یادگار موجود ہے۔ حضرت محل نے انگریزوں کا ہر مرحلے پر بہادری سے مقابلہ کیا شکست ان کے نصیب میں تھی انگریزوں نے انھیں طرح طرح کے لالچ دیئے انھیں مرعوب کیا مگر وہ کسی طرح معافی مانگنے کو تیار نہ ہوئیں جس حکومت کے خلاف تلوار اٹھائی تھیں اس کے سامنے سر جھکانا گوارا نہ کیا اور تمام مراعات ٹھکرا کر سادگی سے زندگی بسر کرنے کو فوقیت دی۔ بیگم حضرت محل ایک نڈر اور قابلِ رہنما تھیں ڈبلیو۔ ایچ۔ رسل نے ان کے بارے میں کہا:

> "بیگم بڑی طاقت اور قابلیت نظر آتی ہے ہم سے جنگ کا انھوں نے اعلان کیا اور اس پر قائم رہیں"

(ص 24۔ 25۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں

خواتین کا حصہ-ڈاکٹر بانو سرتاج)

بیگم حضرت محل کے مخالفین تک اعتراف کیا ہے کہ وہ نہایت نڈر عہد کی پکی اور نہایت باصلاحیت خاتون تھیں تمام وزراء اور امراء سے زیادہ قابل تھیں واجد علی شاہ کی دوسری بیگمات بھی ان کی قابلیت اور شجاعت کا کھلے دل سے اعتراف کرتی تھیں، شیدا بیگم نے ایک خط میں واجد علی شاہ کو لکھا تھا کہ " آپ کے جانے کے ایک سال بعد وہ بلوے ہوئے وہ مصیبتیں آئیں کہ خدا دشمن کو بھی نہ دے۔ حضرت محل نے ایسی بہادری دکھائی کہ دشمن کے منہ پھر گئے بڑی جی دار عورت نکلی آپ کا نام روشن کردیا کہ جس کی بیگم ایسی بہادر اور مردانہ وار مقابلہ کرنے والی ہے اس کا شوہر بہادر اور شجاع ہوگا" بیگم حضرت محل کا انتقال کاٹھمانڈو میں 1874ء میں برف محل میں ہوا یہ عمارت انھوں نے ہی تعمیر کرائی تھی اس پر ان کا پرچم لہراتا رہتا تھا۔

آزادی کی جس جنگ کا آغاز جون 1857ء میں ہوا تھا اس کی انتہا دسمبر 1857ء میں ہوئی بیگم حضرت محل کا ماننا تھا" یہ ہندوستان کی آزادی کی جنگ کی انتہا نہیں ابتداء ہے اور واقعی وہ صحیح کہتی تھیں انتہا تو 1947ء میں ہوئی جب ہندوستان انگریزوں کی قید سے آزاد ہوا۔

ڈاکٹر عابدہ سمیع الدین تحریر کرتی ہے کہ:-

" بیگم حضرت محل کا شمار ان ہستیوں میں ہوتا ہے جس کے ہاتھوں آزادی کی شاندار فتح کی حیثیت اول رکھی گئی 1857ء کے پرآشوب زمانہ میں اودھ کے باغی سپاہیوں کی قیادت کا بار گراں اپنے کاندھوں پر اٹھا کر انھوں نے جن غیر معمولی جرات بہادری اور ذہانت کا ثبوت دیا اسے جنگ آزادی کی تاریخ نے اپنے اوراق میں محفوظ کرلیا"(ص 87-خواتین ہند کے تاریخی کارنامے-فضل حق عظیم آبادی)

بیگم حضرت محل عوام اور فوج کے دلوں میں قربانی اور حب الوطنی اور جوش بھر دیتی تھیں حضرت محل نے بھی رانی لکشمی بائی کی طرح عورتوں کا ایک سنگھٹن تیار کیا تھا ڈاکٹر سمیع الدین نے ان کی وفات کا سن 1874ء تحریر کیا اور حضرت محل نے نیپال پہنچ کر ایک دفعہ یہ اعلان کیا تھا کہ

"ہندوستان کی جنگ آزادی کا یہ اختتام نہیں آغاز ہے ان کا یہ قول صحیح ہوا 1857ء کے مجاہدوں کی روشن کی ہوئی شمع 1947ء میں وطن پرستوں کے سینوں میں مشعل بن کر بھڑکتی ہے"(ص۔87۔ جنرل بخت خان۔محمود علی)

اس طرح بیگم حضرت محل نے بیرونی طاقت کی غلامی سے آزادی کے مبارک جذبہ کے تحت ہندوستان کی آزادی کی وہ خشت اول رکھ دی جس پر آج ہمارے پورے ملک کی آزادی کی قابل فخر عمارت تعمیر ہوگئی۔ ہندوستان کی آزادی کی پہلی جنگ کے مجاہدین میں بیگم حضرت محل کا مقام ایک یادگار ہے انھوں نے اودھ میں نہ صرف آزادی کی مسلح لڑائی کا کامیاب مقابلہ کیا بلکہ مجاہدین کی عزت کی حفاظت کے لئے اپنی جان تک کی بازی لگادی بلکہ انھوں نے اپنے عیش و آرام کو خیر باد کہا اور جنگ آزادی میں عوام کا ساتھ دیا اور انگریزوں کی پیش کش کو ٹھکرا کر اپنی عزت بچانے کے لئے نیپال کی رہائش کا رخ بھی کیا تھا۔ حضرت محل پر ہم بجا طور سے فخر کرسکتے ہیں انھوں نے حرم شاہی کی ایک بیگم ہونے کے باوہمت وتجارت دکھائی کہ خاتون ہند کی روانی عظمت میں چار چاند لگ گئے۔

سردار سلیم ۔حیدرآباد

ایک قطعہ

بھارت کے مسلمان مجاہدین آزادی کی نذر

عشق و ایثار کا پیام ہوں میں
جنگ آزادی کا امام ہوں میں

میں ہوں اشفاق، میں حمید اللہ
فضل حق ہوں، ابوالکلام ہوں میں

1857ء کے بعد 1947ء تک انگریز ہندوستان پر مسلط رہے اور اپنی مرضی کے مطابق حکومت کرتے رہے جنھوں نے آزادی کی لڑائی لڑی ان کو باغی قرار دیا گیا اور ان کے نام ونشان کو مٹانے کی بھی کوشش کی گئی۔

آج حضرت محل کی مکمل تفصیل اور ان کے ساتھ لڑنے والوں کے بارے میں تاریخ کے اوراق میں بہت کچھ نہی ں ملتا۔بیگم حضرت محل کی مکمل سوانح نہیں ملتی۔ہندوستان کی عظیم مجاہدہ کو وہ مقام آج تک نہ مل سکا جس کی وہ حقدار ہیں ان پر کوئی مکمل کتاب بھی دیکھنے کو نہیں ملتی۔بیگم حضرت محل نے اپنی قائدانہ صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے انگریزوں سے جنگ کی اپنی رعایا 'پڑوسیوں راجا مہا راجا جاگیرداروں نوابوں کو متحد کیا انگریزوں نے ہندوستان کی بیشتر ریاستوں کو کمپنی کے تحت لینے کا کام دھیرے دھیرے شروع کردیا تھا انگریزوں اور بیگم حضرت محل کے درمیان جنگ کو ہندوستانی پس منظر میں بھی دیکھنا چاہئے۔جاری.....

قاضی انصار ۔کھنڈوا،مدھیہ پردیش

غزل

یہ صفت ہے ہمارے بھائی کی
آج بھی اس نے بیوفائی کی

ذہن و دل میں فتور ہے ورنہ
کیا ضرورت صلح صفائی کی

بدگماں بھی وہی ہوا مجھ سے
میں نے جس شخص سے بھلائی کی

کچھ نہ کچھ مصلحت رہی ہوگی
بات اپنی نہیں پرائی کی

قاضی انصار پھنس گئے آکر
کوئی صورت نہیں رہائی کی

ہر چند کہ میں شمس و قمر دیکھ رہا ہوں
ذرروں کو بھی انصار مگر دیکھ رہا ہوں

ہے سامنے نظروں کے میرے منزل مقصود
ہر گام پہ اب فتح و ظفر دیکھ رہا ہوں

میں مان بھی جاؤں کہ نظر کا ہے یہ دھوکا
ہر شخص کو میں زیر و زبر دیکھ رہا ہوں

ہجرت پہ کیا تھا کبھی جس شخص نے مجبور
میں آج اسے شہر بدر دیکھ رہا ہوں

مانا کہ میں انصار ادھر سے ادھر آیا
ہر شخص کو اس ضد میں ادھر دیکھ رہا ہوں

ڈاکٹر سیداسرارالحق سبیلی۔ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ ڈگری کالج تانڈور، ضلع وقارآباد، تلنگانہ

ایک گمنام مجاہدِ آزادی: مولانا سید محمد اسحاق رحمانی برونویؒ

آج میں آپ کو ایک ایسے مخلص مجاہدِ آزادی کا نام بتاؤں گا، جواب تک گم نام رہے ہیں۔ آپ نے ملک کی ایک بڑی ریاست بہار کا نام ضرور سنا ہوگا۔ یہ ریاست جہاں دوسری خصوصیات کے لیے مشہور ہے وہیں بودھ مذہب اور جین مذہب کی جائے پیدائش، علم وروحانیت اور جذبۂ آزادی کے لیے بھی مشہور ہے، اور مادرِ وطن کی آزادی میں اس ریاست کا بہت بڑا حصہ ہے۔

ریاست بہار کے صدر مقام پٹنہ میں ایک محلّہ کا نام صادق پور ہے۔ یہ تاریخی محلّہ پورے ملک کے لیے قابلِ فخر ہے، کیوں کہ اس محلّہ صادق پور کے علماء نے وطن کی آزادی کے لیے شان دار قربانیاں پیش کی ہیں۔ علمائے صادق پور نے حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی کی قیادت میں سب سے پہلے بالاکوٹ میں جہاد کیا، جس میں حضرت سید احمد بریلوی اوران کے کئی خلفاء ورفقاء شہید ہوگئے۔

پھر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف پہلی جنگِ آزادی حضرت سید احمد شہید کے خلفاء اور دیگر افراد کے ذریعہ لڑی گئی۔ بد قسمتی سے اس مرتبہ بھی مجاہدین کو شکست ہوئی اور صادق پور کے بے شمار علماء شہید کردیئے گئے۔ آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے علماء صادق پور کی قربانیوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا: ''اگر پورے ہندوستان کی قربانیوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور علمائے صادق پور کی قربانیوں کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو علمائے صادق پور کی قربانیاں بھاری پڑیں گی''۔

پٹنہ سے سوا سو کیلومیٹر دور دریائے گنگا کے شمالی ساحل پر برونی شہر میں ایک بہت بڑا ریلوے جنکشن ہے، اسی برونی میں مغربی سمت آموں کے باغات کے درمیان بریار پور نام کا ایک گاؤں آباد ہے۔ اسی گاؤں میں ۱۹۰۰ء کے آس پاس مولانا سید محمد اسحاق رحمانی برونوی کی پیدائش ہوئی۔ ان کے والد ماجد کا نام مولوی غلام سبحان اور دادحضرت کا نام مفتی یار علی محدث برونوی تھا۔ مفتی یار علی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (جنہوں نے انگریزوں کے خلاف سب سے پہلے جہاد کا فتوی دیا تھا) کے شاگرد وخلیفہ تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد جب دہلی میں علماء کو انگریزوں نے چن چن کر قتل کرنا شروع کیا تو مفتی یار علی دہلی سے ترکِ وطن کرکے برونی آکر آباد ہوگئے۔

مولانا اسحاق رحمانی کی تعلیم وتربیت دارالعلوم دیوبند میں ہوئی، جس کے قیام کا اوّلین مقصد ہی ملک سے انگریزوں کو بھگانا اوران کی غلامی سے آزاد کرانا تھا۔ دیوبند میں مولانا اسحاق رحمانی کو شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی جیسے استاد سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا، جو ایک عظیم مجاہدِ آزادی اور آزادی کے لیے ریشمی رومال تحریک کے بانی تھے۔ دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد مولانا اسحاق اپنے استاد حضرت شیخ الہند کے ساتھ مل کر آزادی کی جدوجہد میں شریک ہوگئے۔ انگریزوں نے جب حضرت شیخ الہند کو مالٹا

جلاوطن کر دیا تو مولانا اسحاق بھی اپنے استاد کے ساتھ تھے۔

مالٹا سے واپسی کے بعد مولانا اسحاق رحمانی ایک دوسرے مجاہدِ آزادی مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کے مدرسہ جامعہ رحمانی مونگیر میں تدریس سے وابستہ ہوئے، اور یہاں بھی انگریزوں کے خلاف جدوجہد جاری رکھی، جس کے نتیجہ میں انہیں مونگیر، بھاگل پور اور رانچی کے جیلوں میں قید کی سزائیں دی گئیں، لیکن انہوں نے کبھی ہمت نہیں ہاری اور تادم حیات جنگِ آزادی میں حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۴۲ء میں بمبئی سے ''ہندوستان چھوڑو تحریک'' شروع ہوئی، اس موقع پر مولانا اسحاق دیگر مجاہدینِ آزادی کے ساتھ شریک تھے، کیوں کہ ۱۹۹۲ء میں حکومتِ ہند کی طرف سے ہندوستان چھوڑو تحریک کی گولڈن جوبلی تقریب میں شرکت کے لیے مولانا اسحاق رحمانی کے نام بھی دعوت نامہ بھیجا گیا تھا، جس کی ایک کاپی راقم کے پاس بھی موجود ہے، لیکن مولانا اسحاق کا انتقال تو ۱۹۴۲ء کے بعد ہی مشرقی دیناج پور کے سفر کے دوران ہو گیا تھا، ان کی قبر بھی وہیں ہے جو آج کل بنگلہ دیش میں واقع ہے، مولانا اسحاق کے پوتا (اور میرے چچازاد ماموں) اختر ماموں بنگلہ دیش میں ان کی قبر کی زیارت کر چکے ہیں۔

گاندھی جی، ڈاکٹر راجندر پرشاد، شری کرشن سنہا (سابق وزیرِ اعلیٰ بہار) جے پرکاش نارائن، رام چرتر سنگھ، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی آپ کے ساتھیوں میں تھے، جن کے ساتھ مل کر آپ نے پورے ملک کا دورہ کیا تھا اور ہندوستانیوں کو انگریزوں کے خلاف جنگ میں ساتھ دینے کی دعوت دی تھی۔ آپ گاندھی جی کی سودیشی تحریک سے مکمل متفق تھے۔ آپ خود بھی کھادی کا کپڑا پہنتے اور اپنے بچوں کو بھی پہناتے۔ مولانا اسحاق کے تیسرے فرزند مولوی سید محمود الرب کے بارے میں میری والدہ (سیدہ سامرہ خاتون عرف چاند بی بی جو مولانا اسحاق رحمانی کی پوتی ہوئیں) نے مجھ سے بتایا تھا کہ ان کے دادا ان کے تیسرے چچا کو جو دو تین سال کے بچے تھے کھدر کا کپڑا پہناتے تھے، جس سے بعض دفعہ ان کا بدن چھل جاتا تھا۔

مولانا اسحاق رحمانی کے انتقال کے بعد ان کے دوسرے فرزند اور میرے نانا حضرت مولانا سید محمد عبدالرب نشتر (م: ۲۸ر ستمبر ۱۹۹۸ء) نے اپنے والد بزرگوار کے مشن کو جاری رکھا۔ وہ بھی ایک بے باک قائد، مصلح اور شعلہ بیان مقرر تھے، اور پورے شمالی بہار میں ایک نڈر مجاہدِ آزادی کی حیثیت سے مشہور تھے۔ ان کے انتقال کے بعد روزنامہ قومی تنظیم پٹنہ نے ایک مجاہدِ آزادی کی حیثیت سے ان پر اداریہ شائع کیا تھا۔

غرض مولانا سید محمد اسحاق رحمانی میں آزادی کے حصول کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی پور زندگی تن، من، دھن سے وطن کی آزادی کے لیے وقف کر دی تھی، اور آزادی کی جدوجہد کے سفر میں ہی مشرقی دیناج پور میں عین جوانی کی حالت میں آپ کی موت واقع ہوئی۔ ملک کی آزادی کے بعد حکومتِ ہند نے مجاہدِ آزادی کا وظیفہ مولانا اسحاق رحمانی کی اہلیہ محترمہ بی بی سلمٰی خاتون کے نام جاری کیا جو ان کی وفات (۱۹۷۷ء) تک جاری رہا۔ ریاستی حکومت اور اس کے کارندے مولانا اسحاق کی یادگار بنانے کے لیے ان کی باقیات کی تلاش میں ہیں جو نایاب ہیں۔ البتہ بلدیہ والوں نے ان کے گھر کے پاس سے گزرنے والی سڑک کو مولانا اسحاق روڈ کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ڈاکٹر مفتی محمد شرف عالم قاسمی۔ اسسٹنٹ پروفیسر، مانو

ہندوستان میں صحافت!

صحافت کا معنی رسالہ یا کتاب کے ہیں، یہ لفظ صحیفہ سے مشتق ہے، شروع میں صحت اور صحافت چمڑے یا کاغذ کے ٹکڑے پر لکھی ہوئی تحریر کیلئے بولا جاتا تھا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ تحریر یا کتابت کا نام صحافت ہے، زمانہ قدیم میں عرب اس لفظ کو خبر یا اعلان اور مجموعۂ معلومات پر اطلاق کرتے تھے، اس کی تصدیق قرآن سے بھی ہوتی ہے اور لغت میں ان تمام خبروں پر بولا جاتا ہے، جن کا تعلق انسانی زندگی سے ہے، اس مفہوم میں عربوں نے اسے معاہدہ نامہ پر بھی اتفاق کیا ہے، جس میں سماجی بائیکاٹ کا اعلان کیا گیا تھا اور اس کو کعبہ پر آویزاں کیا گیا تھا، یہ صحیفہ کے نام سے موسوم ہوا تھا۔

صحافت کو اصطلاح میں اس طرح بیان کیا گیا کہ صحافت ایک اجتماعی ذمہ داری کا نام ہے اور اس کا مقصد معلومات، روشن اور پختہ خیالات کی نشر و اشاعت ہے اور اس کے ذریعے عوامی رائے ہموار کیا جانا ہے، صحافت کے سلسلے میں کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ لفظ صحافت صحیفہ سے ہی مشتق ہے اور لغت میں کوئی کتاب یا رسالہ کے معنی میں ہے اور عملی طور پر صحیفے کا اطلاع مطبوعہ مواد پر ہوتا ہے، جو مقررہ وقفوں کے بعد اشاعت پذیر ہوتا ہے، اسی لیے تمام اخبارات ورسائل صحیفہ کے زمرے میں آتے ہیں، اور جو لوگ تحریر، ترتیب اور تحسین سے وابستگی رکھتے ہیں ان کو صحافی کہا جاتا ہے اور صحافت انگریزی زبان میں جرنلزم کے مترادف سمجھا جاتا ہے اور جرنل کو مرتب کرنے والوں کو کے لیے جرنلسٹ کا استعمال ہوتا ہے۔

صحافت کا آغاز: خدا نے انسانی فطرت میں خبر رسانی کا مادہ رکھا ہے، ہزاروں سال پہلے عبادت گاہوں کی دیواروں پر اخبارات کے صفحے ہوا کرتے تھے اور لوگ دیواروں پر لٹکی ہوئی خبروں سے معلومات حاصل کرتے تھے، ہندوستان میں صحافت کا تصور کسی نہ کسی درجے میں پایا جاتا تھا، چنانچہ مہاراجہ چندر گپت کے عہد میں صحافت کو بہت ترقی حاصل ہوئی، جب ہم ہندوستان میں ابتدائی دور کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ عیاں ہوتا ہے کہ عربوں میں خبر رسانی کی تڑپ پائی جاتی تھی، خبروں کی نشر واشاعت ابتدائی زمانہ میں بھی ان کے نزدیک اہم سماجی ذمہ داری مانی جاتی تھی، مختلف قبائل کے احوال ان کی تاریخ اور شجاعت کی داستان سے معلومات حاصل کرنا اور فخر ومباہات کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا، خاندانی تمکنت اور فخر وحماسہ مکہ کا عکاظ کا میلہ اور دوسرے میلے اکھاڑہ کی حیثیت رکھتے تھے۔

عرب کے قبائل ان میلوں میں اپنے اپنے شاعروں کو پیش کرتے وہ لوگ اپنے قبائل اور خاندان کی عظمت کے قصیدے پڑھتے، ان میں عرب کی تاریخ اور خاندان کے حالات ہوا کرتے تھے یہ اشعار پورے عرب میں پھیل جاتے تھے، یہ عربی صحافت کی شروعات ہے، جو عکاظ کے میلے سے شروع ہوتا تھا، زمانہ اپنے قدم آگے

بڑھتا رہا، کیلنڈر کے اوراق الٹتے گئے، عربی صحافت کبھی سست روی اور کبھی تیز گامی سے اپنا سفر قدم بقدم آگے بڑھاتی رہی، اس کے بعد ''النفع العظیم لاهل هذا الاقلیم'' لاہور یعنی برصغیر ہندوپاک سے عربی صحافت کی ابتدا ہوئی، یہ اخبار ہفت روزہ تھا، جس کا پہلا شمارہ 17 اکتوبر 1971 میں منصہ شہود پر آیا، اس اخبار کو شائع کرنے والے شیخ شمس الدین لاہوری ہیں، ان کے مرید مولوی مقرب علی اور سرپرست جی ڈبلو لائی ایل تھے، یہ اخبار 8 صفحات پر مشتمل تھا، پھر اس میں دو صفحے کا اضافہ ہوا اور یہ دس صفحوں پر مشتمل نکلتا رہا، پنجابی پریس لاہور سے چھپتا تھا، اس میں دینی، ادبی اور سماجی مضامین اور خبریں ہوتی تھیں، اخبار نے سرسید کی تحریک کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا اور سرسید کے نظریات و افکار کو بہت اہمیت دیتا تھا، اخبار 1885 تک مسلسل اشاعت پذیر رہا، لیکن پریس کے منشی محمد عظیم کے سانحہ ارتحال کے بعد اس کی اشاعت بند ہوگئی۔

پھر صحافت کے نئے نئے سرخیل پیدا ہوئے، ان میں مولانا محمد علی جوہر کا نام بہت بلند ہے، انہوں نے اخبار کے ذریعے ایک طرف عوامی بیداری کا کام کیا اور دوسری طرف سامراجی حکومت کو للکارا، انگریزوں کو یہ سب باتیں نا پسند تھیں، اس لیے کئی بار ان کا اخبار بند ہوا، لیکن ہندوستان کے اس جیالے نے ہمت نہ ہاری اور اپنے کام میں لگے رہے، دوسری طرف ہندوستان کے عظیم سپوت مولانا آزاد نے الہلال اور البلاغ کے نام سے انگریزوں کی ایوان میں تہلکہ مچا دیا، مولانا اپنے وقت کے بڑے ادیب اور ایمانی جوش سے بھرپور مضامین لکھتے تھے، جن کے الفاظ دل سے نکلتے تھے اور دل پر اثر کرتے تھے، ہندوستان جب انگریزوں سے آزادی حاصل کر چکا تو عوام کو سنبھالنے کے لیے صحافت نے نئے انداز میں قدم رکھا اور آزادی کے بعد جب آج کے دور میں داخل ہوئی تو جو کردار اس نے شروع میں ادا کیا تھا وہ کردار آج کل مفقود ہوتا نظر آتا ہے۔

شاہ نواز ہاشمی۔ حیدرآباد تلنگانہ

عظمتِ مصطفیٰ

کیا بگاڑیں گے شہِ دیں کا زمانے والے
مٹ گئے آپ ہی عظمت کو گھٹانے والے

اپنے آقا پہ ہیں قربان ہماری جانیں
خود پریشان ہیں اب ہم کو ستانے والے

تاب تو لا نہ سکے گا مری سچائی کی
یہ ذرا سوچ لے تو آنکھ ملانے والے

آندھیوں میں بھی چراغ اپنا جلا لیتے ہیں
آتشِ عشقِ نبی دل میں جلانے والے

رہ کے فاقہ میں پڑوسی کو کھلا دیتے ہیں
ایسے ہوتے ہیں شہ دیں کے گھرانے والے

دین و دنیا میں وہی ہاشمی تابندہ ہیں
نامِ آقا پہ ہیں جو سر کو کٹانے والے

محمد زاهد اقبال۔پی۔ایچ۔ڈی ریسرچ اسکالر،شعبۂ ترجمہ،مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی،حیدرآباد

مشینی ترجمہ کے لیے تیار کردہ اردو کارپس میں پائی جانے والی کمپیوٹیشنل غلطیوں کا جائزہ

مشینی ترجمہ: مشینی ترجمہ یہ اطلاقی لسانیات (Applied Linguistic) کا ایک ذیلی شعبہ ہے۔جو ایک قدرتی زبان کی تقریر یا متن کی دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کے لیے کمپیوٹر سافٹ ویر کا استعمال کرتا ہے۔مشینی ترجمہ کو اختصار کر کے MT بھی کہا جاتا ہے۔بنیادی طور پر MT ایک قدرتی زبان کے الفاظ کو دوسری قدرتی زبان میں سادہ متبادل فراہم کرنے کا کام انجام دیتا ہے۔

پروفیسر محمد خالد مبشر الظفر صاحب مشینی ترجمہ کی تعریف کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ''مشینی ترجمے کو اکثر خودکار ترجمہ یا (AutomaticTranslation) بھی کہتے ہیں اور اس کا تعلق قدرتی زبان کی پروسیسنگ (Natural Language Processing) سے ہے۔مشینی ترجمہ کو اگر صرف ابتدائی سطح پر دیکھا جائے تو یہ بالکل ایک سادہ لغت نظر آتا ہے اور اگر اس کو جدید شکل میں دیکھیں تو یہ ذخیروں (Corpus) اور مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) کو استعمال کرتے ہوئے بڑی تیز رفتاری سے کتابوں، ویب سائٹوں، ای میل اور مکمل دستاویزات کا ترجمہ کرنے کی صلاحیت کا حامل ہے''۔(1)

کارپس: اکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق کارپس مشین کے لیے قابل مطالعہ (ریڈ ایبل) متن ہوتا ہے، جس کو لسانیاتی تحقیقات کے لیے اکٹھا کیا گیا ہو۔کارپس یہ واحد ہے اور اس کی جمع کارپورہ ہے۔(2)

انگریزی کی ایک مشہور لغت (انسائیکلوپیڈک ڈکشنری آف لنگویز اینڈ لنگویزز) میں کارپس کے بارے لکھا گیا ہے ''کارپس جمع کارپورہ لسانیاتی ذخیرہ کا ایک مجموعہ ہے جو یا تو تحریری متون یا ریکارڈ شدہ تقریر کا ٹرانسکرپشن کے طور پر مرتب کیا گیا ہو۔کارپس کا بنیادی مقصد کسی زبان کے مفرضوں کی تصدیق کرنا ہے۔مثلاً ایک مخصوص تلفظ،لفظ، یا مختلف جملے کی ساخت سے متعلق تعین کرنا کیسے وہ استعمال ہوتے ہیں۔لسانیاتی کارپس زبانوں کے مطالعے میں استعمال ہونے والے کارپورہ کے اصولوں اور استعمال سے بحث کرتا ہے۔ایک کمپیوٹر کارپس مشین کے لیے قابل مطالعہ متون کا بڑا حصہ ہوتا ہے۔(3)

کارپس کو اردو میں اردو مثال گھر، دی بینک آف اردو، اردو ڈیٹا ہاؤس ،اردو مثال گھر اور اردو کوائف بھی کہا جاتا ہے۔(4)

بنیادی طور پر کارپس دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تحریری دوسرا تقریری۔تحریری کارپس کے اندر کسی زبان کی تمام معلومات تحریری شکل میں ہوتی ہیں۔اور تقریری کارپس کس زبان کی تمام معلومات ریکارڈنگ صوتی شکل

میں موجود ہوتی ہیں جسے مشین کے ذریعے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ الگ الگ مقاصد کے اعتبار سے ان کی الگ الگ قسمیں ہوتی ہیں جو یا تو یک لسانی ہونگی یا ہمہ لسانی۔ مشینی ترجمہ کے لیے ایک زبان کی معلومات کے ساتھ دوسری زبان کی مناسب جوڑیاں تیار کی جاتی ہیں یعنی کہ ہمہ لسانی کارپس ہوتا ہے جسے متوازی یا ترجمہ شدہ کارپس کہتے ہیں۔

بہر حال جب ہم اردو کارپس خواہ عام مقصد یا مشینی ترجمہ کے لیے تیار کرتے ہیں اور تو اس کے لیے ہمیں متن کے ایک بڑے ذخیرے کی ضرورت پڑتی ہے جسے استعمال میں لا کر مشینی ترجمہ کے لیے متوازی کارپس تیار کیا جاتا ہے۔ متن کی حصول یابی کے لیے عام طور پر ہم خبروں کے ذخیرے، وکی پیڈیا دستاویزات کے ذخیرے، مخصوص میدان مثلاً کسی ادارے کی ویب سائٹس وغیرہ کے ذخیرے کو استعمال کرتے ہیں یا پھر اردو کی غیر برقی کتب کو راست ٹائپ کر کے یا بصری حروف شناس OCR کے ذریعہ متن کو مشین کے لیے ریڈ ایبل شکل میں تیار کر کے یونی کوڈ میں پیش کرتے ہیں۔ جب ان مقامات سے متون کو حاصل کر کے یونی کوڈ میں پیش کیا جاتا ہے تو اس میں کئی طرح کی غلطیاں شامل ہوتی ہیں جن کی درستگی کے بغیر ایک معیاری کارپس کا تصور کرنا ناممکن ہے۔

ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کمپیوٹر کے اندر استعمال ہونے والی زبان یا اس زبان کی معلومات کو درست صورت میں ہی داخل کیا جاتا ہے، تا کہ کمپیوٹر کو اس لفظ، جملے یا کسی متن کو پڑھنے میں دشواری نا ہو اور درست طریقے سے پڑھ کر ہی درست نتیجہ فراہم کر سکے۔ اگر ہم غلط طریقے سے اس میں کسی لفظ، جملے یا متن کو داخل کرتے ہیں اور اگر درست طریقے سے ماحصل چاہتے ہیں تو کمپیوٹر اس لفظ کو سمجھنے سے انکار کر سکتا ہے، کیوں کہ کمپیوٹر کا ایک مسلم وصول ہے کہ جیسا اس میں داخل کیا جائے گا ویسا ہی وہ نتیجہ فراہم کرے گا۔ ایسے میں اردو زبان کے تمام الفاظ، جملے، متون، معلومات یا ترجمے وغیرہ درست طریقے سے داخل کرنے کی اشد ضرورت ہے تا کہ ماحصل میں پریشانی نا ہوں اور اس کے لیے ان تمام متون، الفاظ و جملے وغیرہ میں ان غلطیوں کے امکانات کی جانچ نہایت ضروری ہے۔

کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور مشینی ترجمہ وغیرہ میں استعمال کے لیے تیار کردہ اردو کارپس میں پائی جانے والی غلطیوں کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔

.1 کنورٹر کی وجہ سے: جب کسی متون کو کنورٹر کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ مشین کے لیے قابل مطالعہ شکل میں لے جانا ہوتا ہے، مثلاً ان پیج کی فائلیں یونی کوڈ میں لانے کے لیے کنورٹر کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس دوران مختلف طرح کی غلطیاں واقع ہوتی ہیں۔

.2 دوسری یہ کہ HTML کی تحریروں کو ورڈ میں لانے کی وجہ سے: HTML کی تحریریں ویب صفحات پر ہوتے ہیں ان کی ترتیب الگ ہوتی ہے جب ان تحریروں کو ورڈ میں پیش کیا جاتا ہے تو اس میں کئی غلطیاں درپیش ہوتی ہیں۔

.3 اور تیسری وجہ یہ ہے کہ ٹائپنگ کے دوران لاعلمی یا غفلت میں ہونے والی غلطیاں وغیرہ۔

کارپس کے لیے جمع کردہ ذخیروں میں پائی جانے والی غلطیوں کا جائزہ میں نے تیس ہزار جملوں کو جو تقریباً ایک ہزار صفحات سے زائد پر پھیلے ہوئے تھے انھیں

مائکروسافٹ ورڈ میں 13.5 فونٹ کی سائز میں تبدیل کر کے ایک ہزار صفحات تک محدود کیا، اور پھر جانچ کے مختلف طریقوں کو اطلاق کرتے ہوئے غلطیوں کی نشاندہی کی۔ اس تحقیق میں میں نے ٹائپنگ کی غلطیاں، لسانی یا قواعدی غلطیاں، ادبی غلطیاں کو شامل کیا اور ان تینوں زمروں کے تحت آنے والے ذیلی زمروں کو بھی شامل کیا۔ مگر اس مضمون میں صرف کارپس میں پائی جانے والی ٹائپنگ کی غلطیوں کو پیش کیا گیا ہے۔ اس زمرے کے تحت مندرجہ ذیل غلطیاں زیادہ تر پائی جاتی ہیں۔

کارپس میں مندرجہ ذیل کمپیوٹیشنل غلطیاں زیادہ تر پائی جاتی ہیں:

غیر ضروری حذف: خاتمہ کا حذف، اسپیس کا حذف، حرف کا حذف، لفظ کا حذف، رابطے کا حذف وغیرہ کسی لفظ کے بجائے ایک حرف ہی لکھ دینا جیسے ص: ﷺ کی جگہ اسی طرح صحابہؓ کی جگہ ث لکھ دینا وغیرہ۔

غیر ضروری خالی جگہ: یہ عموماً اسپیس سے ہوتا ہے دو یا اس سے زیادہ بار اسپیس دینے سے خالی جگہ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

غیر ضروری جوڑ: یہ تقریباً اسپیس کی وجہ سے ہوتی ہے کسی لفظ کو دوسرے لفظ سے پہلے اسپیس نہ دیا جائے تو وہ اس سے متصل ہو جاتا جیسے: ''چوں کہ''، ''دسلمنے''، ''دسلمکے''، ''حالاں کہ''، ''نہیں ہے'' اور ''دسلمھیں'' ان غلطیوں کو عموماً درست کر لیا جاتا ہے اس طرح کی غلطیاں اکثر کنورٹر کی وجہ سے ہوتی ہیں، لیکن بعض ایسے مقامات ہوتے ہیں جہاں اسپیس نہ دینے کے باوجود بظاہر درست معلوم ہوتا ہے جو دراصل کمپیوٹر کے نزدیک غلط ہے یہ ان الفاظ کی وجہ سے ہوتے ہیں جن کے اخری حرف کس لفظ سے نہیں ملتے ہیں۔ جیسے اخیر میں ا، د، ڈ، ر، ز، و، ژ اور مجهول ''ے'' وغیرہ۔ ان حروف کے بعد کوئی بھی لفظ لکھا جائے تو یہ کسی سے ملتے نہیں نتیجتاً دو الفاظ مشین کے کی فہم میں ایک ہی لفظ ہوتا ہے۔ عموماً تحریر کے دوران لوگ اس چیز کا خیال نہیں رکھتے اور ان حروف کے بعد لکھنے والے لفظ سے پہلے اسپیس نہیں ڈالتے، اگر کمپیوٹر میں اس طرح کے الفاظ کو جملہ برمبنی کارپس کی شکل میں داخل کیے جائے تو اس کا ماحصل اسی صورت میں ہوگا جب آپ ان دونوں لفظوں کو بغیر اسپیس کے ساتھ تحریر کر کے معلوم کریں جو کہ ایک دشوار طلب امر ہے۔

غیر ضروری اضافہ: خاتمہ کا اضافہ، اسپیس کا اضافہ، حرف کا اضافہ، لفظ کا اضافہ، جیسے۔ ہے۔۔ حلکومت میں ''ک'' اسی طرح اس کی کی وجہ سے میں ''کی'' کا اضافہ وغیرہ عموماً غلطی سے واقع ہو جاتے ہیں۔ مگر خاتمہ قومہ واوین وغیر کے بعد یا قوسین وغیر کے بعد کچھ رموز اوقاف کے بعد اسپیس دینے کا رواج عام ہے اور اسے غلطی بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کیوں کہ ایسا کوئی اصول یا قاعدہ تیار نہیں کیا گیا ہے جس کی ہر کوئی اتباع کرے اس لیے بعض لوگ کہیں اسپیس کا اضافہ کر دیتے ہیں اور کہیں ترک کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اضافت کی صورت میں کلید سے عدم واقفیت کی وجہ سے بھی اور بے خیالی میں بھی دونو صورتوں میں غیر ضروری حروف کا اضافہ کر دیا جاتا ہے جیسے سورۂ نقطۂ ان دونوں صورتوں میں ''ہ'' اور ''ء'' کے استعمال کے بجائے پہلے ''ۓ'' اور ''ہ'' کا استعمال کیا گیا ہے تو اس اعتبار سے ''ی'' کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ وغیرہ

رموز واوقاف کی غلطیاں

اس غلطی کی کئی وجوہات ہیں ایک یہ کہ خود ٹائپنگ کرتے وقت اردو کے رموز واوقاف کے بجائے انگریزی کا لکھ دیا جاتا ہے جو کہ غلط ہے۔ دوسری یہ کہ اردو ہی رموز واوقاف سے عدم واقفیت کی بنا پر اسے ترک یا غلط استعمال کر دیا جاتا ہے۔ بلکہ بعض رموز واوقاف وقفہ؛ ندائیہ وفجائیہ(!) وغیرہ کو تو کمپوزر حضرات کبھی کبھی استعمال ہی نہیں کرتے۔ جب کہ کبھی کبھی ٹائپنگ کے دوران یہ صحیح ہوتا ہے لیکن جب اس متن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں تو اس متن کے رموز اوقاف اس جگہ سے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے تبدیل ہو جاتے ہیں، ہم آہنگی نہ ہونے کی کئی وجہ ہے ایک تو یہ کہ یا تو وہ متن کسی دوسرے پروگرام میں لکھا گیا ہوگا مثلاً ان پیج کا ٹائپ کردہ متن کو ورڈ میں پیش کیا جائے تو (کنورٹر کے ذریعے) اس کے رموز اوقاف میں گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر اسی پروگرام میں کسی متن کو تحریر کیا گیا لیکن جس فونٹ کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے اگر وہ تبدیل کرتے ہیں تو پھر یہ رموز اوقاف تبدیل ہو جاتے ہیں اور اس صورت میں ہمیں یہ رموز اوقاف الٹی شکل میں دیکھائی دیتی ہیں جیسے واوین ''''، جمیل نستعلیق میں ٹھیک ہے اگر علوی میں تبدیل کرتے ہیں تو یہ '''' اس طرح پیش کرے گا اسی اطرح اگر علوی فونٹ میں درست ہے اور جمیل نوری نستعلیق میں تبدیل کرتے ہیں تو اسی طرح ہو جائے گا۔ وغیرہ۔

غلط کلیدی استعمال: غلط کلید کا استعمال دور حاضر کا سب سے باریک مسئلہ ہے۔ ہم جانتے ہیں مشین صرف بائنری زبان کو ہی سمجھتی ہے، کسی بھی زبان کو کمپیوٹر کی زبان بنانے کے لیے اسے مشین میں ان کی یعنی بائنری زبان کے سہارے ہی داخل کرنا ہوتا ہے، اب اس دوران اگر کسی کلید کو اس بائنری یعنی ہندسوں کے مطابق تیار کر دیا ہے تو ہمیشہ کمپیوٹر اس کلید سے وہی الفاظ پیش کرے گا جو اس کے مطابق داخل کیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں اگر ہم غلط کلید ٹائپ کرتے ہیں اور کمپیوٹر میں ڈالتے ہیں تو کمپیوٹر اس لفظ کو اسکرین میں بھلے ہی درست دکھا دے پر وہ اس کے نزدیک غلط ہے۔ کیوں کہ اردو تحریر کے اندر اگر عربی کلید استعمال کرتے ہیں جو کہ اسکرین کے لیے صحیح ہے لیکن مشین کے اندر وہ دو کلید کے حروف کو ایک لفظ میں نہیں رکھ سکتا۔ مثلاً اگر کسی نے ''رحمۃ اللہ'' کو ''رحمۃ اللہ'' اس کے اندر عربی "ۃ" استعمال کیا گیا ہے اگر اس لفظ کو اردو سے تلاش کریں گے تو اکثر اس لفظ تک آپ رسائی نہیں کر سکتے۔ اسی طرح کسی بھی لفظ میں اگر کسی دوسری زبان کا کلید استعمال کیا جائے تو اس پورے لفظ کو یا اس لفظ کے ذریعے کسی دیگر پروگرام سے کچھ معلومات دریافت کرنا یا اس لفظ کو اس میں موجود لغات سے اسی طرح تلاش کیا جا سکتا ہے جس طرح اس کو تحریر کیا گیا ہے۔ اسی طرح غلط کلید کا استعمال اس وقت پتا چلتا ہے جب اس کلید سے تحریر کردہ لفظ کی صوتی صورت جانی جاتی ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ جہاں پہ مجہول ''ے'' لکھنا چاہیے وہاں عموماً سہولت کے پیش نظر معروف ''ی'' لکھ دی جاتی ہے۔ جیسے ہمیں کی ''ے'' کو معروف ی سے لکھا جائے تو اس کا تلفظ ہوگا ہمیں اسی طرح میل اور بیل کو فرق کرنا مشکل ہوگا۔ وغیرہ کبھی کبھی کلید صحیح رہنے کے باوجود اس لفظ کی ہیئت بدل جاتی ہے اور اس لفظ کا کوئی حرف دوسری زبان کا حرف لگتا ہے اردو میں خصوصاً ''ۃ'' کسی لفظ کے اخیر میں آنے سے عربی ''ۃ'' میں بدل جاتی ہے اسی اردو ''ہ'' عربی میں بدل جاتی ہے جیسے اگر کوئی جمیل نوری نستعلیق سے ٹائپ کررہا ہے تو اسے

عموماً ''یہ'' کے بجائے'' یہ ''تحریر ہوگی،اسی طرح اگر آپ ''ہو'' ہولکھنا چاہتے ہیں تو ''ھو'' تحریر ہوگی یاد رہے یہ اس صورت میں جب ہم ایم ایس ورڈ میں عربی کلید استعما ل کررہے ہیں اور اردو تحریر کررہے ہیں چونکہ کبھی کبھی عربی کی بورڈ سے بھی اردو تحریر کردیا جاتا ہے لیکن اس سے مقصد تو پورا ہوجائے گا تاہم اس طرح کے متون کو مشین کے لیے استعمال کرنے کے لیے صاحب تکنیک کی جانچ پڑتال نہایت ضروری ہے۔

بعض وقت غلط کلید استعمال کرنا مجبوری بن جاتی ہے اگراس کے اندر کی کلید سے لفظ صحیح تحریر نہیں ہورہا ہو تب۔خصوصاً مجہول ''ے'' مابعد سے نہیں ملتا ہے اس لیے درمیاں میں آنے والا مجہول ے کو معروف سے بدل کر لکھنا پڑتا ہے اسی طرح نون غنہ وغیرہ۔ان کی درستگی کے بارے آئی۔آئی۔آئی۔ٹی حیدرآباد میں اردو کی خدمات انجام دے چکے پروفیسر رحمت یوسف زئی صاحب اور اعجاز عبید صاحب (جواردوٹکنالوجی کے ماہرین میں سے ہیں جنہوں نے ناصرف اردو کوٹکنالوجی سے جوڑنے کی ناقابل فراموش خدمات انجام دیے ہیں بلکہ ہردن اردو کواس میدان میں بہتر طریقے سے استعمال کرنے کے لیے عملی طور تحقیق بھی کرتے ہیں)ان دونوں شخصیتوں سے پوچھنے پر یہ معلوم ہوا کہ یہ اردو رسم الخط والوں کے ساتھ مجبوری ہے کہ مجہول ''ے'' اگر درمیان میں تحریر کرنا ہے تو اس کی جگہ معروف '' ی'' ہی لکھنا پڑتا ہے یہ یونی کوڈ والوں کی غلطی ہے کہ اب تک اسے درست نہیں کرپائے۔کبھی کبھی غلط کلید کا استعمال سہواً بھی ہوجاتا ہے خاص طور شفٹ کے ساتھ لکھے جانے والے حروف کو بغیر شفٹ کے ٹائپ کرنے کی وجہ سے مثلاً پڑھنے کو پرھنے یعنی''ڑ'' کی جگہ''ر'' ہوگیا اصل ہے(پڑھنے)وغیرہ۔

علامتوں کی غلطیاں: علامتوں کی غلطیاں عموماً اعراب کی وجہ سے پیش آتی ہیں کچھ ایسے لفظ ہوتے ہیں جو قاری کو پڑھنے میں دشواری نہیں ہوتی لیکن مشین کے اندر اس لفظ کو تلاش کرنا دشوار ہوگا۔ایسے میں ان تمام الفاظ جو ہم شکل ہوں جس سے دوطرح کی آواز دو معنوں کے لیے نکلتے ہوں تو ان کے اندر اعراب کا ہونا ضروری ہے۔جیسے اِس اور اُس پھِر پھُر دور ڈور غیرہ۔بعض لوگ اس سے قطع نظر کرتے ہوئے علامتوں کا استعمال کرتے ہی نہیں یا کم کرتے ہیں۔اب تک کسی پروگرم میں صوتی شکل پر مبنی اردو الفاظ موجود نہیں ہے اس لیے اردو کی اصلی حالت یا اس لفظ خصوصاً جن کی تحریر ایک پر معنی اور تلفظ الگ الگ ہوں تو اس صورت میں اعراب ہی رہنمائی کرتا ہے۔مثلاً:

بکری ۔ بِکری (فروخت) بکری۔ بَکری

ان ۔ اِن (یہ) ان۔ اُن (وہ)

اس ۔ اُس (وہ) اِس۔ اس (یہ)

عالم ۔ عالَم (دنیا) عالم ۔ عالِم (تعلیم یافتہ)

بعض وقت علامتوں کے لگانے میں بھی غلطی کر دی جاتی کبھی علامت کو پہلے لگادیتے ہیں تو کبھی دوسرے لفظ کے بعد۔

کارپس کے لیے اعراب کا ہونا زیادہ بہتر ہوگا خصوصاً ان مقامات پر جہاں ہم شکل لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتے ہوں تقریری کارپس کے اندر اگر اس لفظ کے ساتھ اس کا تلفظ داخل کیا جائے گا تو وہ کارپس وہی لفظ

فراہم کرے گا لیکن تحریری کارپس میں بغیر اعراب کے ٹائپ کرنے سے اس لفظ کو صحیح طرح سے مشین سمجھ نہیں سکے گی اور نتیجتاً اس سے متعلق معلومات بھی غلط پیش کی جائے گی۔اور ترجمے بھی صحیح ملنا مشکل ہوگا۔

اسی طرح بہت سے لوگ تنوین کا استعمال یا تو کرتے ہی نہیں، 'فورا' اور 'قطعا' لکھ دیتے ہیں، یا جن کو بٹن معلوم نہیں، وہ 'فورا"' لکھ دیتے ہیں، یعنی ڈبل کوٹ لگا کر۔ ان کے علاوہ حتٰی، الٰہی وغیرہ الفاظ میں کھڑا زبرا کثر غلط جگہ لگایا جاتا ہے۔ یہ دراصل الف مقصورہ ہوتا ہے، اس سلسلے میں جناب اعجاز عبید صاحب لکھتے ہیں کہ:

'' میرا اصول یہ ہے کہ جن الفاظ میں ایسی 'ی' آتی ہے جو بولی نہیں جاتی، ان میں 'ی' ٹائپ کرنے کے بعد کھڑا زبر ٹائپ کرنا چاہئے، اور جہاں نہیں ہے، وہاں جس حرف پر کھڑے زبر کی کھڑی آواز بولی جاتی ہے، وہاں اسی حرف پر چنانچہ ح ت ی لکھ کر 'ی' کے بعد کھڑا زبر لگانا درست ہے، کہ حتٰی کی 'ی' محض نمائشی ہے۔لیکن 'الٰہی' میں یہ حرف لام کے بعد لگائی جائے گی کہ اس کی 'ی' کی آواز بھی آتی ہے۔'علیحدہ' اگر لکھا ہو تو اس میں 'ی' کے بعد کھڑا زبر دیا جائے گا، اگر محض 'علحدہ' لکھا گیا ہے تو 'لام' پر'۔ (5)

بہر حال ان تمام غلطیوں کا آپسی موازنہ کرتے ہیں تو ہمیں سب سے زیادہ غیر ضرروری جوڑ کی غلطیاں ملتی ہیں جن میں ''اور''، ''ے'' اور ''ہو'' کے بعد اسپیس نہ دینے کی وجہ سے جڑنے والے الفاظ کی غلطیاں سب سے زیادہ ہیں۔

ٹائپ کے زمرہ کے تحت پائی گئی غلطیوں کا آپسی موازنہ

ٹائپ کے زمرہ کے تحت پائی گئی غلطیوں میں تقریباً 66% غلطیاں غیر ضروری جوڑ کی ہیں جبکہ 19% غلط کلیدی استعمال کی ہیں اور 15% غلطیاں غیر ضروری خالی جگہ کی۔ان غلطیوں کے مقابلے میں غیر ضروری حذف اور غیر ضروری اضافہ والی غلطیاں قابل نظر انداز ہیں۔

خلاصہ: آج کے اس برق رفتار زمانے میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا علم اور اس میں اپنی زبان کا ہونا اور اپنی زبان سے متعلق بنیادی ضرورتوں کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ماہرین کا کہنا ہے کہ کمپیوٹر ٹکنالوجی سے بھر پور فائدہ تب ہی اٹھا سکتے ہیں جب ہم کمپیوٹر کو اپنی زبان (اردو) میں استعمال کریں، اردو میں احکامات جاری کریں اور اردو میں جوابات دیں اور دیگر زبانوں کے علوم و معلومات کو از خود مشین سے اپنی زبان میں ترجمہ کرسکیں اور یہ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب ہم ہر میدان سے متعلق اردو کارپس تیار کریں اور ان ذخیرہ کو ہر طرح کی غلطیوں خصوصا کمپیوٹیشنل غلطیوں سے پاک کر کے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ میں استعمال ہونے والے طرح طرح کے پروگراموں میں داخل کریں۔

حوالہ جات:

1. مشینی ترجمہ "از پروفیسر محمد خالد مبشر الظفر ،مطبوعہ اپریل 2013،ایجوکیشنل پلشنگ ہاؤس،نئی دہلی
2. (search/www.oxfordreference.com //:https
3. An 1992. David. Crystal, of DictionaryEncyclopedic LanguagesandLanguage
4. اردو ڈیٹاہاوس این انٹروڈکشن تحقیق جام شورو، شمارہ ۶، ۲۰۰۸:
5. میں کس طرح پروف ریڈنگ کرتا ہوں؟ اعجاز عبید ProofReading.doc / kitaben.urdulibrary.org

کے۔ رحمت اللہ۔پی ایچ ڈی اسکالر،شعبۂ ترجمہ،مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی،حیدرآباد

ڈاکٹر حسن الدین احمد کے ساتھ ایک انٹرویو

سوال: آپ کا اصلی اور قلمی نام کیا ہے؟

جواب: میرا اصل اور قلمی نام حسن الدین احمد ہی ہے اور ڈاکٹر حسن الدین احمد کے نام سے متعارف ہوں۔

سوال: آپ کی ولادت کب اور کہاں ہوئی؟

جواب: میں 12 فروری 1923 کو عزیز باغ حیدرآباد دکن میں پیدا ہوا۔

سوال: آپ کا سلسلہ نسب کیا ہے؟

جواب: بنیادی طور پر میرا تعلق نوائطی خاندان سے ہے۔ میرا سلسلہ نسب حضرت عبداللہ ابن جعفر طیار تک پہنچتا ہے۔میرے جد امجد حافظ ابراہیم تھ یہ میرے خاندان کے پہلے بزرگ تھے جو سن 770 ویں ھ میں بصرہ سے کوکن آئے اور نوائط خاندان کا نام انہیں سے مشہور ہوا۔

سوال: ازراہ کرم آپ اپنی ابتدائی تعلیم وتربیت سے متعلق بتائیں کیوں کہ نصف صدی قبل کی بات ہےجبکہ حیدرآباد دکن کی علمی وادبی صورت حال آج سے بہت مختلف تھی۔؟

جواب: میری بنیادی اور ابتدائی تعلیم اس زمانہ کے ماحول کے مطابق میرے اپنے گھرانے ہی میں ہوئی،خاص طور پر میری والدہ ماجدہ نیااس سلسلہ میں بہت دلچسپی لی۔اس وقت حیدرآباد میں پری اسکول اور پرائمری اسکولوں میں شرکت کی خاص کوءاہمیت نہیں تھی جیسی آج کل ہیاور شاید اسی لیے گھروں میں تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ میں نے حیدرآباد کے مشہور استاد خطاطی جابر صاحب کے پاس اردو اور دینیات کی تعلیم حاصل کی۔اس زمانے میں مذہبی تعلیم کو اہمیت دی جاتی تھی اور خطاطی بھی ضروری سمجھی جاتی تھی۔والد صاحب کی تعینانی تلنگانہ کے ضلع نلگنڈا پر ہوء تو وہاں مرزا حافظ بیگ رفیق صاحب سے تعلیم حاصلی کی۔ نلگنڈا سے جب ہم عثمان آباد اور پھر نا ندیڑ گئے تو وہاں بھی سرکاری نصاب کے مطابق گھر ہی میں ہماری تعلیم ہوئی۔ہماری اسکول کی تعلیم کا با ضابطہ سلسلہ جالنہ میں شروع ہوا۔اس کے بعد حیدرآباد کے سٹی ہائی اسکول میں آٹھویں جماعت میں میرا داخلہ ہوا۔میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد آرٹس کالج جامعہ عثمانیہ میں میں نے داخلہ لیا۔بی اے میں پروفیسر ہارون خان صاحب شیروانی شعبہ سیاسیات میں میرے خاص استاد رہے ہیں۔

سوال: آپ کی ادبی زندگی کا آغاز کب اور کس طرح سے ہوا؟

جواب: میرے گھر کا ماحول ہی ادبی تھا چنانچہ میرے دادا نواب عزیز یار جنگ اور میرے والد دین یار جنگ جو کئی کتابوں کے مصنف تھے،ان سے یہ ذوق مجھے ورثہ میں ملا ہے۔مجھے ادبی کتابوں کو پڑھنے کا شوق بچپن ہی سے رہا ہے۔اس زمانے میں امتیاز علی صاحب لاہور سے بچوں کا رسالہ پھول شائع فرماتے تھے جواس زمانہ میں نہ صرف دلچسپ ہوتا بلکہ ہر قسم کی معلومات کا اہم ذریعہ تھا۔میں اس

رسالے کا پابندی سے مطالعہ کرتا تھا۔اس طرح ادبی کتابوں سے دلچسپی بڑھتی گئی یہاں تک کہ کالج میگزین مجلہ عثمانیہ جو دو زبانوں میں شائع ہوتا تھا میں اردو زبان کے مجلّہ کا مدیر اور انگریزی زبان کا نائب مدیر برسوں سے رہا۔اس وقت میں نے مجلّہ کا ایک خاص نمبر یعنی جلیل نمبر شائع کیا یہ نمبر انتہائی مقبول ہوا اور آج اس کو ایک دستاویزی حیثیت حاصل ہے۔ اس طرح طالب علمی کے دور ہی سے مجھے بڑوں اور اساتذہ کی طرف سے حوصلہ افزائی اور ادب کی دنیا میں پزیرائی ملتی گئی اور ہر دور میں میں اپنے ادبی شوق میں اضافہ کرتا رہا اور لکھنے پڑھنے کے عمل کو مسلسل جاری رکھا۔

سوال: ڈاکٹر صاحب! آپ نے الفاظ شماری پر بھی خاصہ وقیع کام کیا ہے جو آپ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے اس کام کی خاص اہمیت آپ کی نظر میں کیا ہے؟

جواب: دراصل لفظ شماری الفاظ کی گنتی کرنے اور مختلف الفاظ کی تکرار یعنی فریکوینسی متعین کرنے کا عمل ہے۔اس میں زیادہ استعمال ہونے والے الفاظ کی فہرست مرتب کی جاتی ہے۔ایسی فہرست کسی زبان کی ترویج وترقی کے لیبڑی کارآمد ہوتی ہے۔اس زمانہ میں ترکی زبان میں الفاظ شماری کا کام ایک امریکن ڈاکٹر برج انجام دے رہے تھے تو مجھے اس کام کے طریقہ کار کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔اردو الفاظ شماری کے سلسلہ میں میں نے ان کے طریقہ کار سے مدد لی۔

سوال: آپ کی اب تک کتنی کتابیں شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہیں؟

جواب: میری اب تک 31 کتابیں شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔جن میں سے تقریباً کتابیں میری قائم کردہ ولا اکاڈمی کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہیں۔

سوال: نصف صدی قبل کے حالات کے اعتبار سے آپ کی ملازمت کا سفر بھی اہمیت کا حامل ہے،خاص طور پر حکومت ہند کی جانب سے آپ کن عہدوں پر فائز رہے؟

جواب:سن 1945 میں میں جامعہ عثمانیہ میں ایم اے سال آخر کا طالب علم تھا اسی دوران میرا تقرر بحیثیت مددگار ناظم امور مذہبی ہوا۔ 1950 میں محکمہ مال(ریونیو ڈپارٹمنٹ)میں منتقلی ہوئی۔ 1952 میں شعبہ اوقاف حیدرآباد کا مددگار معتمد مجلس مال کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ 1958 میں ڈپٹی کلیکٹر ناگر کرنول کی خدمت پر مامور رہا۔1964 میں جائنٹ کلکٹر وشاکھاپٹنم کے عہدے پر فائز رہا۔1970 میں جائنٹ سیکریٹری مجلس مال اور 1976 میں ڈپٹی سیکرٹری وزارت قانون کے عہدے پر فائز رہا۔اس دوران مجھے سابق وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی اور سابق صدر جمہوریہ فخر الدین علی احمد کے ساتھ کام کرنے کے بہت سے مواقع فراہم ہوئے اور ان عظیم شخصیات کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔

سوال: ملازمتی مصروفیات اور حکومت ہند کی جانب سے بڑے عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود ادبی میدان میں آپ نے نہ صرف دلچسپی دکھائی بلکہ مستقل ادب اور ترجمہ آپ کی شناخت کا ضامن بنا، یہ کیوں کر ممکن ہوا؟

جواب: جب سے سن شعور کو پہنچا تو ایک کھوئی کھوئی سی کیفیت، ایک نا قابل بیان ہجوم افکار اور خیالات و احساسات کا ایک زبردست دباؤ میرے دل ودماغ پر مسلط رہا۔یہ دراصل مافی الضمیر کے اظہار اور تغیر کا ایک غیر معمولی ذوق تھا جس میں اس زمانے کے ادبی اور گھریلو ماحول کا دخل

تھا اور تعلیمی و علمی ماحول تھا جو برابر جاری رہا پھر جیسے جیسے زندگی میں حالات آتے گئے ویسے ویسے موضوعات کے تنوع کے اعتبار سے میں لکھتا رہا۔

سوال: ترجمہ سے متعلق آپ کے نظریات کیا ہیں؟

جواب: ترجمہ ایک باقاعدہ اور مستقل فن ہے۔ جس طرح جذبات، احساسات، خواہشات اور تجربوں کا اظہار کسی ایک زبان میں بول چال تقریر یا تحریر کے ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح اس اظہار کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اسی مواد کی منتقلی کو ہم ترجمہ کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے ترجمہ راست اظہار نہیں ہوتا بلکہ اصل اظہار کا عکس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترجمہ لازمی طور پر اصل سے کم تر ہوگا۔ میں ترجمہ کو میں نقش ثانی اس لئے مانتا ہوں کہ شاید ہی دنیا کی کوئی دو زبانیں ایسی ہوں جن کے الفاظ مفہوم کے اعتبار سے مشترک ہوں اور ان کا ترجمہ یکساں ہوں۔ کیوں کہ ہر انفرادی لفظ تاریخ کی دین ہوتا ہیا اور اس کا اپنا تہذیبی پس منظر ہوتا ہے جس کو ترجمہ کے عمل میں پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسری زبان کے مترادف لفظ کا پس منظر بالکل مختلف ہوگا۔ کہیں دو زبانوں کے دو الفاظ صرف ایک حد تک ہم معنی ہو سکتے ہیں۔ غرض ترجمہ ایک مشکل کام ہے۔ یہ بنیادی طور پر ابلاغ اور ترسیل کا کام ہیا اور زباں میری ہے بات ان کی کا مصداق ہوتا ہے۔ میں ترجمہ سے متعلق ایک بات اور بتا دوں کہ ترجمہ کے بغیر آج کوئی بھی زبان ترقی یافتہ نہیں کہلا سکتی کیوں کہ وہ ترجمہ ہی ہے جس کے ذریعہ کوئی زبان نئے الفاظ، اصطلاحات، محاورات اور کہاوتوں کو اپنے دامن میں سمیٹتی ہے اور اس کے دائرہ میں ترجمہ سے وسعت ہوتی ہے۔

سوال: کیا واقعی ایک مترجم کو ترجمہ کے لیے دو زبانوں کا جاننا کافی ہے؟

جواب: جی نہیں! ترجمہ کے فن کو برتنے اور اس میں مہارت تامہ پیدا کرنے کے لئے کم سے کم دو زبانوں کے ساتھ ساتھ دیگر نزاکتوں جیسے زبان کی ساخت اور ان کی ادبی و تہذیبی پس منظر سے واقفیت ضروری ہے۔ ایک طرف وہ زبان یا زبانیں جن سے ترجمہ کرنا مقصود ہو یعنی اصل زبان اور دوسری طرف وہ زبان جس میں ترجمہ کرنا ہو یعنی ہدفی زبان، دونوں زبانوں کے مزاج کو پہچاننا بھی لازمی ہے۔ گویا اس اعتبار سے ایک اچھے ترجمہ کے لئے صرف دو زبانوں کا جاننا ہی کافی نہیں بلکہ ان زبانوں کی لغت، اصطلاحات، محاورات اور خاص طور پر مترادفات پر ماہرانہ عبور اور تہذیب یا مزاج کو بھی جاننا ضروری ہے۔

سوال: آپ نے بھگوت گیتا کا ترجمہ نغمہ الوہیت کے نام سے کیا، اس ترجمہ کا مقصد کیا تھا؟

جواب: یہ ایک مسلم بات ہے کہ دنیا کا کوئی بھی مذہب تعصب اور دشمنی کی تعلیم نہیں دیتا۔ یہ ہم انسانوں کی بنیادی غلطی ہے کہ ہم کسی بھی مذہب اور اس کی تہذیب کو جانے بغیر ایک اپنا من پسند خاکہ اپنے ذہنوں میں بنا لیتے ہیں اور اسی خاکہ یا نظریہ کے تحت ہم زندگی بسر کرتے ہیں۔ کسی بھی مذہب یا تہذیب کا گہرائی سے مطالعہ کئے بغیر کسی طرح کا خصوصی نظریہ قائم کرنا یہ درست نہیں ہے۔ بہت کم تعلیم یافتہ مسلمان ہوں گے جنھوں نے بھگوت گیتا کا مطالعہ کیا ہوگا۔ میں نے یہ ترجمہ اسی مقصد کے تحت کیا ہے کہ اردو دان طبقہ آسانی سے گیتا کو سمجھے۔ میں یہاں ایک بات واضح کردوں کہ جس وقت میں بھگوت گیتا کو سمجھنے کے لئے اردو

تراجم تلاش کر رہا تھا اس وقت مجھے حد درجہ مایوسی ہوئی اس لئے کہ ان تراجم میں اکثر سنسکرت کے الفاظ ہو بہ ہو لے لئے گئے تھے جس سے ترجمہ کو پڑھنا اور سمجھنا بہت مشکل تھا۔ تب میں نے سوچا کہ کیوں نہ ایک آسان اردو ترجمہ کیا جائے۔

سوال: کیا منظوم ترجمہ آسان ہوتا ہے؟

جواب: جی نہیں! ترجمہ خود ایک فنی کام ہے جو تخصیص چاہتا ہے۔ یہ بات عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ ادبیات کا خاطر خواہ ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ شعر کا منظوم ترجمہ تو تخلیقی صلاحیت بھی چاہتا ہے۔ تنگنائے ترجمہ میں طبع آزمائی ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ منظوم ترجموں میں اصل تخلیق کے مجموعی تاثر کو پیش کرنا ہوتا ہے جو مترجم کے لئے ایک امتحان سے کم نہیں ہوتا۔ انگریزی اور اردو کی حد تک تو زبانوں کا مزاج اور اظہار خیال کے اسالیب بنیادی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں جن کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

سوال: سازِ مغرب اور سازِ مشرق آپ کی اہم کتابیں تصور کی جاتی ہیں ان کی ترتیب و اشاعت کے متعلق آپ کیا فرمائیں گے؟

جواب: ایک عرصہ سے یہ تمنا تھی کہ انگریزی نظموں کے منظوم اردو تراجم کا ایک گلدستہ تیار کیا جائے اس لئے کہ کسی بھی زبان میں تراجم کی بے حد اہمیت ہوتی ہے، میں نے اپنے ذوق کی تسکین کے لئے اور خاص طور پر اس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس بکھرے اور منتشر مواد کو یکجا کیا۔ جیسے جیسے میں اس کام میں آگے بڑھتا گیا میری دلچسپی میں بھی کافی اضافہ ہوتا گیا۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ انگریزی نظموں کے اردو منظوم تراجم کے حوالے سے یہ کتاب آج علمی و ادبی دنیا میں ایک مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

سوال: ترجمہ کے دوران مترجم کو کن مسائل سے گزرنا پڑتا ہے؟

جواب: ترجمہ مصنف کے قلب و ذہن کی گہرائیوں میں اتر کر اس کے خیال اور فکر کے ابلاغ اور پھر اپنی زبان میں ترسیل خیال یا منتقلی کا ایسا عمل ہے جو اصل کے انداز ترسیل، طرز بیان اور لب و لہجہ کے قریب رہتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ اس طرح ہر زبان کے ادب کی خصوصیات دوسری زبان کے ادب سے مختلف ہوتی ہیں۔ ہر قوم و ملک کے خیالات، عقائد و ادبی روایات دوسرے ملکوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں مترجم کو ان تمام مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سوال: آپ کی نظر میں ایک کامیاب ترجمہ کیسا ہونا چاہئے؟

جواب: میری نظر میں ایک بہتر ترجمہ وہ ہے جو نہ صرف اصل عبارت کا درست ترجمہ ہو بلکہ مصنف کے نظریات، معتقدات، تصورات، اور احساسات کی صحیح ترجمانی بھی ہو۔ اس طرح سے اصل متن کی روح برقرار رہ سکتی ہیجو ترجمہ میں نظر آنی چاہئے۔

سوال: مشینی ترجمہ سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: میں اس بارے میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ مشینی ترجمہ ایک سنہری خواب ہے۔ اس خواب کو شرمندہ تعبیر ہونے میں کافی وقت لگ سکتا ہے اور مستقل ماہرین کی خصوصی توجہات کی بدولت اس راہ میں آسانیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔

آپ کا بے حد شکریہ کہ آپ نے پیرانہ سالی میں طبیعت کی ناسازی کے باوجود بہت وقت دیا اور اس انٹرویو کے ذریعہ اہم معلومات فراہم کیں۔

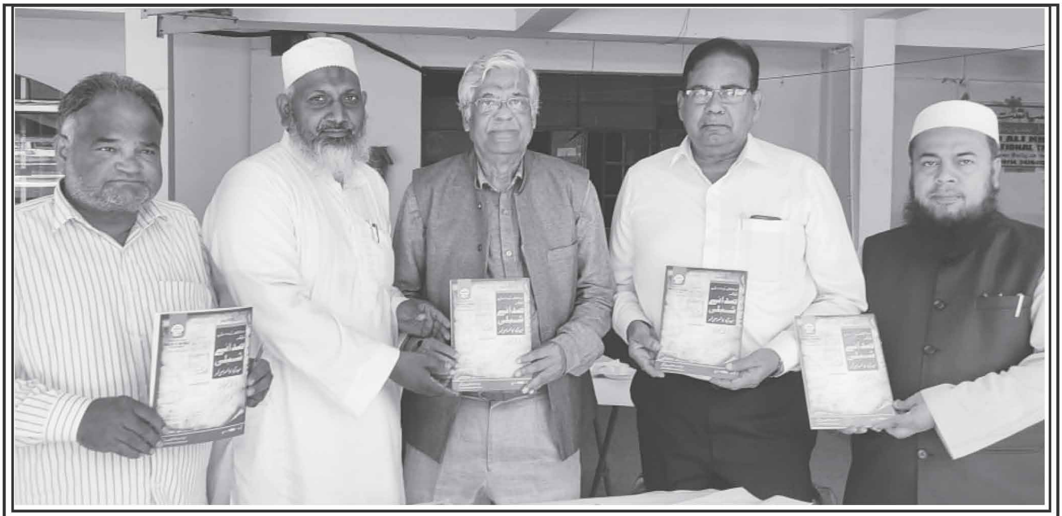

ڈاکٹر محمد اسلم فاروقی، پروفیسر محمد انورالدین، پروفیسر مظفر علی شہ میری، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی ایڈیٹر، ڈاکٹر ناظم علی

اُردو صحافت کے دوسو سال پر خصوصی نمبر ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد کا اجراء کرتے ہوئے۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

UNANI CENTER FOR CARDIAC

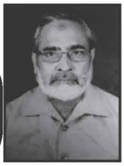

Consultation Time
Morning: 9:00 am to 2:00 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

Maulana Azad National Urdu University

(A Central University established by an Act of Parliament in 1998)

Accredited with "A" Grade by NAAC

Directorate of Distance Education نظامت فاصلاتی تعلیم

داخلہ اعلامیہ۔ 2022-23 سیشن جولائی 2022

جولائی 2022 سے شروع ہونے والے تعلیمی سیشن 23-2022 میں مندرجہ ذیل فاصلاتی طریقہ تعلیم کے پروگراموں میں داخلے کے لیے **آن لائن درخواستیں** مطلوب ہیں:

(i) ایم اے اردو (ii) ایم اے انگریزی (iii) ایم اے اسلامک اسٹڈیز (iv) بی اے (v) بی کام	(یو جی سی- ڈی ای بی، نئی دہلی کے ذریعے منظور شدہ بحوالہ مکتوب: F.8-2/2021(DEB-III) مورخہ 2/ مارچ 2022 اور F.8-2/2021(DEB-III) Part File مورخہ 17 مئی 2022
(vi) ڈپلوما ان ٹیچ انگلش (vii) ڈپلوما ان جرنلزم اینڈ ماس کمیونکیشن (viii) سرٹی فیکیٹ کورس اہلیت اردو بذریعہ انگریزی اور (ix) سرٹیفکیٹ کورس فنکشنل انگلش	

ای پراسپکٹس اور آن لائن درخواست فارم 31 جولائی 2022 سے ویب سائٹ manuu.edu.in/dde (داخلہ پورٹل manuuadmission.samarth.edu.in) پر دستیاب رہیں گے۔

مندرجہ بالا پروگرامس میں داخلے کے لیے درخواست فارم پراسپکٹس جولائی 2022 کے مطابق دیے گئے رجسٹریشن فیس کے ساتھ جمع کرنا ہوگا اور اسناد کی تصدیق کے بعد پروگرام فیس کی ادائیگی کرنی ہوگی۔

امیدوار مزید تفصیلات کے لیے طلبہ رہبری یونٹ ہیلپ لائن 040-23008463 اور 040-23120600 (ایکسٹنشن 2207 & 2208) اور Toll free No.18004252958 پر صبح 9:00 بجے سے شام 7:00 بجے تک رابطہ کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مزید تفصیلات کے لیے طلبہ نئی دہلی، کولکتہ، بنگلور، ممبئی، پٹنہ، دربھنگہ، بھوپال، رانچی، سری نگر، جموں، امراوتی، حیدرآباد، نوح، ورانسی اور لکھنؤ میں واقع یونیورسٹی کے ریجنل / سب ریجنل سنٹرس سے بھی رابطہ کرسکتے ہیں یا ویب سائٹ manuu.edu.in/dde ملاحظہ کریں۔

آن لائن درخواست فارم داخل کرنے کی آخری تاریخ **20/ اکتوبر 2022** اور اور فیس ادائیگی کی آخری تاریخ **31/ اکتوبر 2022 رات 11:59 بجے سے قبل** مقرر ہے۔

ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم **manuu.edu.in/dde** **رجسٹرار**

MADRASA ISLAMIA NAJMUL ULOOM

Shahi Hills, Near Masjid Noor Ali, Shaheen Nagar, Hyderabad.

SHIBLI INTERNATIONAL

EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم

شاہی ہلزنزد مسجد نور علی، شاہین نگر، حیدر آباد

Regd No: 180/2016

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ......................گرامی قدر محترم! امید ہے کہ آپ اپنے متعلقین کے ساتھ بخیر وعافیت ہوں گے

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے **خَیْرُکُم مَن تَعَلَّم القُرآن وَعَلَّمَہ** ۔تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اسی علم کی نشرواشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** شاہی ہلزشاہین نگر حیدرآباد میں ۱۵ر جنوری ۲۰۱۷ء کو قائم کیا گیا تاکہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہوجائیں۔اللہ رب العزت ان مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔آمین یارب العلمین۔

مدرسہ ہذا اور ٹرسٹ کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔ٹرسٹیوں کے مشورے سے ٹرسٹ اور مدرسہ کے لیے تین سوستائیس (327) رگز زمین شاہی ہلزشاہین نگر میں خریدی جاچکی ہے، جس کی مجموعی قیمت چھتیس لاکھ ستّر ہزار تھی۔الحمدللہ اہل خیر کے تعاون سے بیشتر رقم ادا کردی گئی ہے۔ماشاءاللہ تعمیری کام جاری ہے۔الحمدللہ پہلا چھت پڑچکا ہے، مزید مراحل کے لیے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ نقد اور اشیاء سے تعاون فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

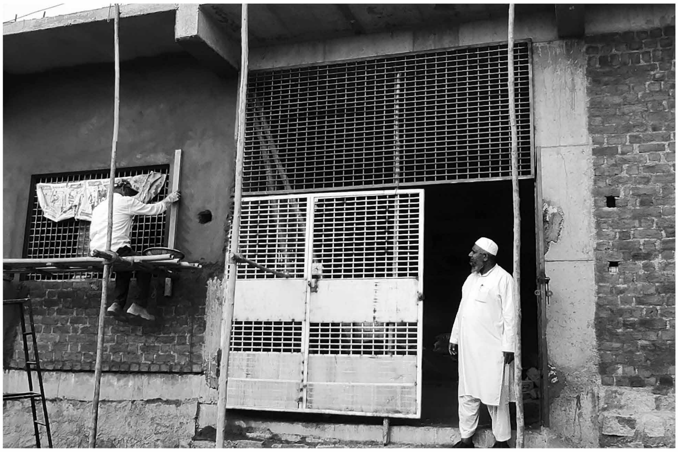

Bank Name: IDBI CURRENT ACCOUNT

A/c Number: 1327104000065876

A/c Name: SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

IFSC Code: IBKL0001327. Branch: Charminar

حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Google Pay: **8317692718** WhatsApp: **9392533661**

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

Aug. 2022 اگست

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216
Rs. 20/-

S.No.: 22-1-114, Jambagh, Kali Khabar Main Road, Dar-ul-shifa, Hyderabad - 500 024, TS
Off.: 5-3-989, 104, First Floor, Sherza Estates, N.S. Road, M.J. Market, Hyderabad - 500 095
email: kgnteasales@gmail.com

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com